2+82

100 yrs old

مضامین چکبست ۔ ۱ الی ۱۱۲ صفحے

مضامین

		صفحہ
۱	پنڈت دیا شنکر کول نسیم ۔	۱
۲	پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجر	۱۹
۳	پنڈت رتن ناتھ در سرشار	۳۳
۴	داغ	۶۵
۵	لچھمی رام سرور	۱۰۹

25

Mazameen Chakbast

"مضامین چکبست" کے ابتدائی ۱۱۲ صفحے

پنڈت دیاشنکر کول - نسیم

(ماخوذ از "کشمیر درپن" - فروری ۱۹۰۳ء)

جبکہ دماغی اشغال سے روز بروز نفرت پیدا ہوتی جاتی ہے - وہ دماغی جوہر جو انسان کو دنیا کے جنجال سے نجات دیکر ایک روحانی خوشی کا سرمایہ بہم پہنچاتے ہین مفقود ہوتے جاتے ہین - زندگی کے معنی صرف کھانا پینا، سونا، دلگی مذاق ہین وقت گذارنا، بائسکل پر کوچہ گردی کرنا، یا گھر مین بیٹھ کر فلش کھیلنا رہ گئے ہین - نقد حیات کسی اور قابل نہین سمجھا جاتا ہے سوائے اسکے کہ جسمانی آسائش اور شکم پروری پر لُٹایا جائے - تہذیب کے معنی یہ خیال کئے جاتے ہین کہ آدھے سر پر ٹوپی ہو، مانگ نہایت تکلف کے ساتھ نکلی ہو، شیروانی جسم پر چسپان ہو، اچکن کے بٹن کھلے ہون اور قمیض کا فرنٹ قیامت کر رہا ہو - چال مین وہ لوچ ہو کہ معلوم ہو ہوائی تہذیب مین جھونکے کھاتے جا رہے ہین - اس حالت مین ایسے مضمون کا چھیڑنا جس کا مذاق دلون سے بالکل اٹھ گیا ہے مناسب نہین معلوم ہوتا - سوائے اسکے کہ بے درد و بے انصاف کہین کہ پرانے مردے اکھیڑنے سے کیا فائدہ - لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے تعصب کی عینک آنکھون سے اتار کر رکھ دی جائے

اور ذرا بنظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اِن بزرگون کے حالات جنھون نے ہماری قوم کا نام روشن کیا اور جن کے کمالات نے ہندوستان مین اعزاز کشمیر کی بنا ڈالی خالی از دلچسپی نہین - بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بزرگون کی زندگی کے حالات پر ایسا اندھیرا چھایا ہوا ہے کہ ان کے کمالات کا کسی خاص علم وفن کے دائرے مین اندازہ کرنا دُشوار ہے - مثلاً سب جانتے ہین کہ پنڈتانِ کشمیر اپنی ذہانت اور جودتِ طبع کے لئے ہندوستان مین ہمیشہ سے مشہور ہین - مسلمانون کے دورانِ حکومت مین جو ذریعے نام پیدا کرنے کے تھے اِن سب سے ہمارے بزرگون نے ایک حد تک فائدہ اُٹھایا - شعر وسخن کا مذاق جو کہ مسلمانون کے عہد حکومت مین برابر جاری تھا ہمارے بزرگون مین بھی پایا جاتا تھا - جب تک اُردو زبان اپنی عہد طفولیت مین تھی اور فارسی کا رنگ چوکھا تھا اُس وقت ہماری قوم مین فارسی کے ایسے ایسے شاعر پیدا ہوے کہ جن کی ذات پر ہر شخص کو ناز ہو سکتا ہے - ان کا کلام زمانہ کی ناقدردانی سے تلف ہو گیا - لیکن جو اشعار اب تک سینہ بسینہ چلے آتے ہین اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن عالی دماغون نے شاعری کے فن مین کیا کمال حاصل کیا تھا اور شعر وسخن کے مذاق کو کیا معراج دی تھی -

پنڈت سومناتھ صاحب متقی نے ایک قصیدہ عرفی کے ایک مشہور قصیدہ کے وزن پر کہا تھا - اِس کے دو شعر اب تک یادگار ہین - واقعی لاجواب ہین - عرفی کے قصیدہ کا مطلع ہے

صبحدم چون میدمد این صور شیون زائے من | آسمان صحنِ قیامت گردد از غوغائے من

پنڈت صاحب نے اِس مطلع کی جوڑ پر کیا خوب مطلع کہا ہے -

بسکہ حسرت میچکد از نالہ آوائے من | صحن محشر بزم خاموشان شد از غوغائے من

اور دوسرا شعر تو اس پایہ کا ہے کہ اس کا جواب عرفی کے قصیدہ مین بھی مشکل سے ملے گا۔

ہمتِ بالایم از کون و مکان بگذشتہ است | بر فضائے لامکان پر می زند عنقائے من

کیا بلند پروازی اور معنی آفرینی کی داد دی ہے۔ اگر صفائے بندش اور پاکیزگی زبان کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایران نژاد کی فارسی ہے۔ اسی طرح پنڈت صاحب نے حافظ کے ایک مشہور شعر پر مصرعے لگائے ہین۔

ساقیا چون بطِ مے چند در آئی بخروش | کہ بیا در چمنِ خلد و مے کوثر نوش

گرچہ او خود ہمہ نوش است ولیکن من دوش | کردہ ام توبہ بدستِ صنمِ بادہ فروش

کہ دگر مے نہ خورم بے کف بزم آرائے

جب تک کہ زبان پر قدرت کاملہ نہ حاصل ہو اُس وقت تک ایسے صاف مصرع زبان سے نہین نکل سکتے، پہلے تین مصرعون کی فارسی اور حافظ کی فارسی مین سرِ مو فرق نہین۔ یہ نہین معلوم ہوتا کہ کمخواب مین ٹاٹ کا جوڑ لگا یا گیا ہے۔ بلکہ حریر مین حریر کا پیوند ہے۔ اسی طرح دیگر متفرق اشعار لوگون کے ورد زبان ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگون نے فارسی مین کیسی لیاقت پیدا کی تھی اور شاعری مین کیا کمال حاصل کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ ان کی زندگی کے حالات کا پتہ چلنا اور ان کے کلام کا ترتیب پانا امر محال ہے۔

ایک مجموعہ "چمنستانِ کشمیر" کے نام سے چھپا ہے۔ لیکن اس چمنستان مین زیادہ تر خزان رسیدہ پھول نظر آتے ہین۔ اعلیٰ درجہ کا کلام اس مین نہین ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دستیاب

نہ ہوسکا۔ لیکن چند ایسے بزرگوار ہین جن کو مرے ہوے ابھی زیادہ زمانہ نہین گذرا اور جن کا کلام قدردانانِ سخن کی خوش قسمتی سے اُن کی زندگی مین چھپ گیا ہے۔ اُن کی زندگی کے حالات شوق وجستجو کے دائرے سے باہر نہین۔ مگر یہ لوگ اُس زمانہ کے ہین جبکہ فارسی کا چراغ جھلملا رہا تھا اور اُردو ترقی کے پروبال نکال رہی تھی۔ لہذا ان لوگون کا کلام جو کچھ دستیاب ہوسکتا ہے وہ اُردو مین ہے۔

اس زمرہ مین پنڈت دیا شنکر صاحب نسیم کا نام سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ اُردو شاعری مین انھون نے جو کمال حاصل کیا وہ سب پر روشن ہے۔ ان کا سکّہ اب تک اقلیم سخن مین جاری ہے۔ اِن کی مثنوی "گلزار نسیم" یادگار زمانہ ہے۔ جب تک اُردو شاعری کا مذاق قائم ہے اُس وقت تک "گلزار نسیم" کی شادابی مین فرق نہین آسکتا۔

پنڈت دیا شنکر نسیم ۱۸۱۱ء مین پیدا ہوے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام پنڈت گنگا پرشاد کول تھا۔ لکھنؤ آپ کا وطن تھا۔ جیسا کہ اُس زمانہ مین دستور تھا اُردو فارسی کی تعلیم پائی۔ شعرائے اُردو وفارسی کا کلام نظر سے گذرتا رہا۔ خلقی طبیعت داری اور ذہانت نے شاعری کا شوق دلایا۔ غرضکہ بیس برس کی عمر مین شعر وسخن کا خاصہ اچھا مذاق پیدا کر لیا۔ خواجہ حیدر علی آتش کی گرمی سخن وآتش بیانی نے ایسا فریفتہ کیا کہ ان کی شاگردی اختیار کی۔ شروع مین غزل گوئی کا شوق رہا۔ لیکن جو دل کا ولولہ تھا وہ غزل مین نہ نکل سکا۔ جدتِ طبعی نے کہا۔ ؎

بقدر شوق نہین ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

مگر وسعت کہان ملے۔ اُردو شاعری کی کائنات کیا۔ غزل، قصیدہ یا رباعی یا مثنوی۔ میرحسن

کی مثنوی سحرالبیان کے اُس زمانہ مین چرچے تھے۔ کچھ یہ طرز ایسا پسند آیا کہ خود بھی مثنوی کے کوچہ مین قدم رکھنے کی کوشش کی۔ مُناسبت طبع نے آمین کہا۔ غرضکہ "گل بکاؤلی" کا قصہ جو کہ نثر مین تھا اس کو نظم مین ڈھالا۔ اٹھائیس برس کی عمر مین یہ مثنوی تیار ہوئی۔ چونکہ گلہائے مضامین سے پُر تھی لہذا نام "گلزار نسیم" رکھا۔ واقعی اِس گلزار کا کیا کہنا تھا۔ ع

"سینچا تھا جس کو خونِ جگر سے وہ باغ تھا"

اِس کے پھولون کی مہک دُور دُور پہنچی لیکن جس وقت یہ مثنوی تیار ہوئی۔ اُس وقت اس کا حجم بہت زیادہ تھا۔ جب آتش کے پاس اصلاح کے لئے لے گئے تو انھون نے کہا کہ "ارے بھائی اتنی بڑی مثنوی کون پڑھیگا' یا تم پڑھو گے کہ تم نے تصنیف کی ہے' یا مین اصلاح کے خیال سے ایک مرتبہ دیکھ جاؤنگا۔" اُستادِ کامل کی بات دل پر اثر کر گئی۔ مثنوی کی پھر نظر ثانی کی' جتنے بھرتی کے شعر تھے نکال ڈالے۔ بلکہ جو مطلب چار شعرون مین ادا ہوتا اُس کو اختصار کے ساتھ ایک ہی شعر مین ادا کیا۔ اِس صورت سے "گلزار نسیم" کو خار و خس سے پاک کیا۔ اور آتش کے پاس لے گئے۔ اُستاد نے شاگرد کی محنت پر آفرین کی اور اصلاح کا قلم اُٹھایا۔ لیکن اکثر اصلاحین نسیم نے نہ مانین اور اشعار کو اپنی اصلی حالت پر رہنے دیا۔ مثلاً مثنوی کا ایک شعر تھا ؎

قلیان پہ مُشکبو دھوان دھار   بیڑے چکنے پان کے مزے دار

آتش نے دوسرا مصرعہ اس طرح بدلنا چاہا۔ ع "بیڑے چکنے بہت مزے دار"۔ لیکن نسیم کو یہ اصلاح نہ پسند آئی اور مصرعہ کی تبدیلی مناسب نہ سمجھی۔

غرضکہ آتش کی نظر ثانی کے بعد مثنوی طبع ہوئی۔ شایع ہوتے ہی ہاتھون ہاتھ بک گئی

زمانہ نے پوری طور سے قدر کی - ابھی تک مثنوی کے رنگ مین یکتائی کا سہرہ میر حسن کے سر تھا، اب "گلزار نسیم" کے جابجا چرچے ہونے لگے - جواہر سخن کے پرکھنے والے جان گئے کہ مثنوی کیا کہی ہے موتی پروئے ہین - نسیم کو بھی شہرت عام کا خلعت نصیب ہوا اور بقاے دوام کے دربار مین میر حسن کے برابر کرسی ملی -

لیکن سخن شناس جانتے ہین کہ نسیم نے گو کہ میر حسن کی جوڑ پر مثنوی کہی، لیکن بالکل دوسرے رنگ مین کہی - کوئی نسیم کو میر حسن کے خرمن کا خوشہ چین نہین کہہ سکتا - اگر وہ اپنے رنگ مین یکتا ہین، تو یہ اپنے طرز مین فرد ہین - اگر کلام کی سادگی اور بے تکلفی کا لطف اٹھانا ہے تو میر حسن کی مثنوی دیکھو - اگر باریک بینی اور معنی آفرینی کا رنگ پسند ہے تو "گلزار نسیم" کی سیر کرو -

دیکھو! فراق یار مین صدمہ گذرنے کا مضمون ایک ہی ہے - دونون استادون کی طبیعت اس پر برابر لڑی ہے مگر دونون کے انداز سخن پر خیال کرو -

میر حسن

دِوانی سی ہر سمت پھرنے لگی — درختون مین جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان مین اضطراب — لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
خفا زندگانی سے ہونے لگی — بہانے سے جا جا کے سونے لگی
جہان بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے — محبت مین دن رات گھٹنا اسے
کسی نے اگر بات کی - بات کی — یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے — کہا خیر بہتر ہے منگوائیے
جو پانی پلانا تو پینا اسے — غرض غیر کے ہاتھ جینا اسے

نسیم

سُنسان وُہ دم بخود تھی رہتی
کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی

رکھتی تھی جو بھوک پیاس بس مین
آنسو پیتی تھی کھا کے قسمین

جامہ سے جو زندگی کے تھی تنگ
کپڑون کے عوض بدلتی تھی رنگ

یک چند جو گذری بے خور و خواب
زائل ہوئی اس کی طاقت و تاب

صورت مین خیال رہ گئی وُہ
ہیئت مین مثال رہ گئی وہ

آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکّر
فانوس خیال بن گیا گھر

دُونون نے اپنے اپنے رنگ مین شاعری کا حق ادا کیا ہے۔ میر حسن کے اشعار کا بیساختہ پن اور سادہ پن دل پر عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ شب ہجران کی بیقراری کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے۔ نسیم کے اشعار ایک دوسری ہی حالت پیدا کرتے ہین۔ الفاظ کی شوکت، بندش کی چستی، استعارون کی ترکیب، تشبیہون کی پختگی مصنّف کی طبیعت کے پُرزور ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ نازک خیالی اور بلند پروازی اس عالم کا اشارہ کرتی ہے جہان پہنچتے ہوے ہمارے طائرِ خیال کے پر جلتے ہین اگر صورتِ حال کا بیان میر حسن پر ختم ہے تو کلام کا معنی خیز ہونا نسیم پر۔ میر حسن کہتے ہین۔ ؎

سب اعضا بدن کے موافق درست
ہر اک کام مین اپنے چالاک و چُست

قد و قامت آفت کا ٹکڑا اتمام
قیامت کرے جسکو جُھک کر سلام

نسیم اس مضمون کو اپنے رنگ مین ادا کرتے ہین۔ ؎

دن، دن اُسے ہو گیا قیامت
بوٹا سی بڑھی وُہ سرو قامت

چلتی تو زمین مین سرو گڑتے
باتین کرتی تو پھول جھڑتے

میر حسن کے اشعار ناخن بر جگر ہین - اِن کا اثر بجلی کی طرح دل مین دَوڑ جاتا ہے - نسیم کے اشعار الفاظ کی شستگی اور ترکیب الفاظ کی چُستی سے تاثیر کا طلسم بنے ہوے ہین - ایک کی زینت حُسنِ صُورت سے ہے - دُوسرے کی شان لُطف معنی سے قائم ہے - میر حسن سخن آفرین ہین، نسیم معنی آفرین ہین - میر حسن محاورہ اور روزمرہ کے بادشاہ ہین، استعارہ و تشبیہ نسیم کا حصّہ ہے مگر اتنا کہنا نا انصافی نہین کہ جو سوز و گداز میر حسن کے کلام مین ہے وہ نسیم کے کلام مین نہین - وہی کلام دَرد خیز ہوتا ہے جو دَرد خیز دل سے نکلتا ہے - مگر با این ہمہ جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے نسیم کا کلام اپنے رنگ مین لاجواب ہے - اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کے طائرِ شہرت نے پرِ پرواز نکالے تو کسی خرمن کے خوشہ چین نہ خیال کئے گئے بلکہ خود صاحبِ طرز کہلائے - "گلزار نسیم" کا ایک خاص جوہر جو کہ نسیم کا خاص حصّہ ہے تناسب لفظی ہے - تناسب لفظی کی صنعت ہمیشہ اُردو شاعرون کے پسند خاطر رہی ہے لیکن کسی نے اِس کو اس درجہ کمال پر نہین پہنچایا جیسا کہ ہم گلزار نسیم مین دیکھتے ہین - چند اشعار تمثیلاً ہدیۂ ناظرین ہین :-

پردہ سے نہ دایہ نے نکالا
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

پالا تو مفارقت ہے انجام
دانا ہے تو مجھ سے لے مرے دام

مجنون ہو اگر تو فصد لیجے
سایہ ہو تو دَوڑ دھوپ کیجے

سَودا ہے مری بکاؤلی کو
ہے چاہ بشر کی باؤلی کو

اِس رنگ کے شعر گلزار نسیم مین کثرت سے ملینگے - واقعی اِس رنگ کو خوب نباہا ہے - اور طرّہ یہ کہ

نہایت خوبصورتی کے ساتھ۔ تناسُب لفظی کی صنعت کا لُطف یہ ہے کہ یہ کہین پر سے نہ معلوم ہو کہ فلان لفظ خواہ مخواہ شعر مین بھر دیا ہے کہ دُوسرے لفظ سے جوڑ کھا جائے۔ اور یہ جوہر گلزار نسیم مین ہے۔ مثلاً کیا خوب مصرعہ ہے۔ ع

"سایہ ہو تو دَوڑ دُھوپ کیجیے"

اِس مصرعہ مین سایہ دھوپ کے ساتھ عجیب کیفیت دکھا رہا ہے لیکن دونون لفظ اِس خوبی سے آئے ہین کہ بالکل ایک دوسرے سے الگ بھی ہین اور ملے ہوے بھی۔ حالانکہ ایک کی رونق دوسرے کی وجہ سے دوبالا ہے لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ "سایہ" کا لفظ خواہ مخواہ "دھوپ" کے لئے لایا گیا ہے۔ اِس رنگ پر چلنا آسان نہین ہے۔ یہ راہ بڑی کٹھن ہے۔ قدم قدم پر ٹھوکرین کھانے کا اندیشہ ہے۔ یہ نسیمؔ کو ہی فخر حاصل ہے کہ کہین اپنے تئین لغزش کی ہوا نہ لگنے دی۔ اکثر شعرائے اُردو نے اِس رنگ مین کھکر اپنے کلام کو بے رنگ کر دیا ہے۔ مثلاً امانت کا دیوان بھر اِس بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ اِس شاعر کے لئے تناسب لفظی کا شوق جنون کے درجے تک پہنچ گیا ہے لیکن چونکہ زبان پر قدرت کاملہ حاصل نہین اور طبیعت مین شستگی کا جوہر نہین۔ لہذا جو شعر اِس رنگ مین کہا ہے اُسے پڑھکر ہنسی آتی ہے۔ ایک شعر بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ ؎

بعد مَرنے کے مری تو قبر آدھی رہ گئی
قبر پر میری لگایا نیم کا اُس نے درخت

سبحان اللہ کیا تناسب الفاظ ہے۔ نیم حکیم اور نیم ملّا سُنتے تھے یہ نیم شاعر ہین۔ اِس طرح احمد علی شوق ایک لکھنؤ کے شاعر ہین۔ اُنہون نے بھی ایک مثنوی کہی ہے اور "گلزار نسیم" کا

رنگ اُڑایا ہے۔ لیکن جو تناسب لفظی نسیم کے لئے جوہر ہے ان کے لئے عیب ہو گیا ہے۔ ایک شعر ان کا یاد آگیا اس کا لکھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

پاجی ہیں شریفے سب اُجڑ جائین
بیری ہین بیر کیڑے پڑ جائین

خلیل کا بھی ایک شعر اس رنگ مین ہے

وہ شمع رو پتنگ اُڑاتا ہے شاید آج
کچھ پیچ پڑ گیا ہے جو آنے مین ڈھیل کی

ان اشعار کے تمثیلاً پیش کرنے سے مراد یہ ہے کہ تناسب الفاظ کا نباہنا ایک امر دشوار ہے۔ ہر طفل مکتب کا کام نہین نسیم کو اس رنگ مین ید طولیٰ حاصل تھا۔ الفاظ کے اُلٹ پھیر سے وہ کام لیا ہے کہ کلام کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔ جس پہلو سے الفاظ کو جما دیا ہے، ایسے جمے ہین کہ ایک حرف کا ردّ و بدل نہین ہو سکتا۔ آتش کا شعر ان کی شاعری پر صادق آتا ہے۔

بندش الفاظ جڑنے سے نگون کے کم نہین
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

اختصار جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے اس مثنوی کا عجیب جوہر ہے۔ واقعی دریا کو کوزے مین بند کیا ہے۔ کل مثنوی مین ایک شعر بھرتی کا مشکل سے ملے گا۔ بعض مقامات پر طول طویل مضامین کو اس صفائی سے دو شعرون مین ادا کر دیا ہے کہ کسی قسم کی کوتاہی کا شبہہ تک بھی نہین گذرتا۔ مثلاً "صحرائے طلسم" کی داستان مین مندرجہ ذیل دو شعر کتنے پر معنی ہین، کس قدر اختصار سے پُر ہین۔

طوطا بن کر شجر پہ جا کر
پھل کھا کے بشر کا روپ پا کر

پتی، پھل، گوند، چھال، لکڑی
اس پیڑ سے لے کے راہ پکڑی

یا ایک مقام پر گفتگو کا اختصار کس خوبی سے نظم کیا ہے۔

پوچھا کہ سبب، کہا کہ قسمت　　پوچھا کہ طلب، کہا قناعت

میر حسن کی مثنوی مین معاملہ برعکس ہے - اس مین ہر مضمون کو ضرورت سے زیادہ طول دیا ہے - اور یہی اس مثنوی کا ایک بہت بڑا عیب ہے -

نسیم نے عموماً مضامین کو تشبیہ و استعارہ کے پیرایہ مین ادا کیا ہے لیکن اکثر مقامات پر طبیعت نے تکلف کا پردہ اُٹھا دیا ہے اور سادگی سے کام لیا ہے - ایسے اشعار کم پائے جاتے ہین - مگر جو ہین وہ لاجواب ہین اور ضرب المثل ہو گئے ہین - مثلاً ؎

انسان و پری کا سامنا کیا　　مٹھی مین ہوا کا تھامنا کیا

غم راہ نہین کہ ساتھ دیجیے　　دُکھ بوجھ نہین کہ بانٹ لیجیے

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے　　جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

سمجھانے سے تھا ہمین سروکار　　اب مان نہ مان تو ہے مختار

ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے　　مختار ہے جس طرح نباہے

علاوہ برین کلام مین وہ پختگی اور ترکیب مین وہ متانت ہے کہ اکثر اشعار کی بندش نل دمن فیضی کا دبدبہ یاد دلاتی ہے - واقعی کیا سنجیدہ و پُر شوکت کلام ہے - ؎

پر بحر سخن سدا ہے باقی　　دریا نہین کار بند ساقی

مرغانِ ہوا تھے ہوش راہی　　نقشِ کفِ پا تھے ریگ ماہی

جاگی مرغِ سحر کے غل سے　　اُٹھی نکہت سی فرشِ گل سے

پانچون سرِ پنجۂ وفا تھے　　یا مطلع خمسۂ صفا تھے

اے آئینہ دار خود نمائی
وے سُرمۂ چشم آشنائی

اک شب کہ تھی خال روئے شامت
یا مردم دیدۂ قیامت

غرضکہ تناسب لفظی، اختصار، پختگی کلام، چستی بندش، شوکت الفاظ، پاکیزگی زبان، اِس مثنوی کے خاص جوہر ہین۔ استعارون اور تشبیہون سے جو میناکاری کی ہے اُس نے اور حُسن دوبالا کر دیا ہے۔

اکثر متعصب مسلمان کہتے ہین کہ آتش نے نسیم کو یہ مثنوی کہہ کر دے دی تھی۔ میری راے مین اِس دعوی بے دلیل پر چین بہ جبین ہونا بیکار ہے۔ بلکہ ایک معنی مین یہ بیان ہمارے لئے باعث فخر ہے۔ اِس سے بڑھ کر نسیم کی شاعری کی تعریف کیا ہو سکتی ہے کہ ان کا کلام آتش ایسے زبردست استاد کی طرف منسوب کیا جائے۔ حالانکہ سخن شناس اچھی طرح جانتے ہین کہ جس رنگ مین گلزار نسیم ہے' اِس رنگ مین آتش نے اپنی زندگی بھر مین ایک شعر نہین کہا۔ اِس موقع پر اُردو زبان کے مستند مؤرخ محمد حسین آزاد مصنف "آب حیات" کی راے پیش کرنا خالی از دلچسپی نہین۔ گو اِس مؤرخ سے ہم کو اتنی شکایت ضرور ہے کہ جہان اپنی کتاب "آب حیات" مین اور شعرا پر صفحے کے صفحے لکھے ہین وہان نسیم کی مثنوی پر راے زنی کرنے مین دس پندرہ سطرون پر اکتفا کیا ہے۔ مگر جو کچھ لکھا ہے وہ انصاف کی نظر سے لکھا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ منصف مزاج مؤرخ کا دامن تعصُّب کے داغ سے پاک ہے۔ کیونکہ اُس کی راے "گلزار نسیم" پر منصفانہ ہے۔ "آب حیات" مین یون لکھا ہے "پنڈت دیا شنکر نے "گلزار نسیم" لکھی اور بہت خوب لکھی، ......اِس کی عام و خاص مین شہرت ہے۔ اِس کے نکتے اور باریکیون کو سمجھین یا نہ سمجھین،

مگر سب لیتے ہین اور پڑھتے ہین جتنی سمجھ مین آتی ہے اُسی پر خوش ہوتے ہین اور لوٹے جاتے ہین"۔
واقعی بہت صحیح لکھا ہے۔ جو اس بیان مین شک کرے وہ کافر ہے۔

علاوہ مثنوی کے نسیم کا ایک غزلون کا چھوٹا سا دیوان ہے لیکن ناتمام۔ بہت سی غزلین جو تلف ہوگئین ان کا نام و نشان بھی اس دیوان مین نہین ملتا۔ لیکن جو کچھ ذخیرہ اشعار کا باقی رہ گیا ہے وہ اب تک قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ نسیم کا کلام آتش و ناسخ، ذوق و غالب کے کلام کا ہمپایہ نہین۔ یہ لوگ آسمان سخن کے تارے ہین، ان کے برابر کسی کو عروج نہین ہوا۔ مگر اس مین شک نہین کہ نسیم، رند، صبا، خواجہ وزیر کے ہم پلہ ضرور تھے۔ اکثر مقامات پر طبیعت کی بلند پروازی اور معنی آفرینی قیامت کرتی ہے۔ مثلاً ؎

بجز گور غریبان نقش پا تھے پھر نہین آئے — یہین تک ہر مُسافر نے پتہ پایا ہے منزل کا
نسیم اپنے ہی اعمالون سے گردش ہے زمانے کی — روان کشتی پہ آتا ہے نظر ہر نخل ساحل کا

اے مُرغ دل تو شاخ نشیمن سے گر پڑا — حیف آشیان بلند ہے پرواز پست ہے
تھے محو زلف دیدۂ تر دل بھی آ پھنسا — مچھلی کو کیا خبر تھی کہ پانی مین شست ہے

گر یہی ہے اِس گلستان کی ہوا — شاخ گل اِک روز جھونکا کھائیگی
جان نکل جاے گی جب تن سے نسیم — گُل کو بوے گل ہوا بتلائیگی

جب ہو چکی شراب تو مین مست مر گیا شیشے کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا

طریق شعر وسخن مین اگر نہین اعجاز قلم کی طرح سے ہر اک شکستہ پا چلتا

اس موقع پر یہ لکھنا غیر مناسب نہین کہ گو یہ آتش کے شاگرد تھے۔ لیکن آتش کی گرمی سخن ان کے کلام مین نہین پائی جاتی - ان کی مشکل پسند طبیعت نے ناسخ کا رنگ پسند کیا۔ مگر با وجود اس تصنّع کے جو کہ اس رنگ کا خاص جوہر ہے۔ نسیم کا کلام بالکل بے نمک نہین ہے۔ طبیعت مین ایک خداداد کیفیت ہے جو کلام کو مزے دار بنا دیتی ہے۔

سُنا جاتا ہے کہ وہ بڑے ظریف و بذلہ سنج آدمی تھے۔ تیزی ذہن و ذکاوت طبع کا عجیب عالم تھا، حاضر جوابی تیغ زبان کی جوہر تھی۔ انہین صفات خاص نے ان کا وقار معصر شعرا مین قائم کیا۔ اگر یہ جوہر نہ ہوتے تو کون پوچھتا۔ اِس زمانہ مین لکھنؤ کل ہندوستان کی تہذیب و تربیت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ گو کہ اردو شاعری کے زوال کا زمانہ قریب آ چکا تھا لیکن جیسے بجھنے کے پیشتر چراغ کی روشنی تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اِس زمانہ نے شعر و سخن کا ایسا عروج دیکھا کہ باید و شاید۔ آتش و ناسخ کی جادو کار طبیعتین اپنا زور دکھا رہی تھین۔ انیس و دبیر مرثیہ گوئی کے فن کو عرش پر پہنچا رہے تھے۔ خواجہ وزیر و صبا کی نوجوان و شوخ طبیعتین اک طرفہ قیامت برپا کر رہی تھین۔ اِس زمانہ مین ایک ہندو شاعر کے لئے شعرا کے زمرہ مین اپنا وقار قائم کرنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن نسیم نے اپنے گلہائے مضامین کی خوشبو سے سب کو مست کر دیا۔ ایسے ایسے معرکے جیتے کہ دھاک بیٹھ گئی۔ خصوصاً ان کی حاضر جوابی و موزونی طبع کے سب قائل تھے۔ ایک

مرتبہ کا ذکر ہے لیکن مشاعرہ کی صحبت تھی نسیم بھی وہان موجود تھے۔ شیخ ناسخ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ پنڈت صاحب ایک مصرع کہا ہے دوسرا مصرعہ نہین سوجھتا کہ پورا شعر ہو جائے۔ انھون نے جواب دیا فرمائیے۔ ناسخ نے مصرعہ پڑھا۔ ع

"شیخ نے مسجد بنا مسمار بُت خانہ کیا"

اُن کے مُنہ سے مصرعہ نکلنے کی دیر تھی کہ یہان دوسرا مصرعہ تیار تھا۔ ع

"تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا"

اِس مصرعہ کا سننا تھا کہ حاضرین جلسہ پھڑک اُٹھے اور ہر طرف سے نعرہائے تحسین بلند ہوئے۔ شیخ ناسخ نے شاعری کی آڑ مین مذہبی چوٹ کی تھی لیکن نسیم نے خوب ٹھنڈا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص نے مشاعرہ مین ایک شعر پڑھا جس کا دوسرا مصرعہ یہ تھا۔ ع

جانبِ ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہین

پہلا مصرعہ کچھ مہمل سا تھا۔ نسیم کے مُنہ سے بیساختہ نکل گیا کہ دوسرا مصرعہ تو خوب ہے لیکن پہلا مصرعہ ٹھیک نہین۔ وہ صاحب بھی کچھ جلے تن تھے۔ جھنجھلا کے بولے کہ اچھا آپ اس سے اچھا مصرعہ لگا دیجئے۔ یہان تو مضامین ہر وقت ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ اسی وقت مصرعہ موزون کر کے سُنا دیا۔ کہ

تیرہ دل کی بزم مین جام شراب آتا نہین (جانبِ ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہین)

اِن کی مشاعرہ مین دھاک بیٹھ گئی وہ بیچارہ ذلیل ہو گیا۔

ایک روز آتش کے یہان شاگردون کا جمگھٹا تھا۔ رند، صبا، خلیل وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے

نسیم بھی موجود تھے۔ صبح کا سہانا وقت، برسات کا موسم، مینھہ برستا ہوا، عجیب کیفیت تھی۔ موسم بہار سے کچھ ایسی طبیعتین مست ہوئین کہ شاگردون نے آتش سے فرمائش کی کہ اُستاد اِس وقت ایک غزل کہہ ڈالئے۔ گو کہ آتش کا بُڑھاپا تھا لیکن طبیعت مین جوانی کا زور بھرا ہوا تھا۔ فی البدیہہ اشعار موزون کرنے شروع کر دیے اور کہا کہ لکھتے جاؤ۔ جس غزل کا مطلع ہے۔ ؎

دہن پر ہین اُن کے گمان کیسے کیسے
کلام آتے ہین درمیان کیسے کیسے

وہ اسی موقع کی کہی ہوئی ہے۔ نسیم کی طبیعت بھی جوش بہار سے لہرائی ہوئی تھی۔ اُنھون نے اِن اشعار کی تخمیس شروع کر دی۔ جتنی دیر مین آتش دوسرا شعر سوچتے تھے یہ اِس عرصہ مین ان کے پہلے شعر پر مصرعے لگا چکتے۔ اور بعض بعض مصرعے تو واقعی اِس انداز سے نکالے ہین کہ اگر کوئی برسون فکر مین سر بگریبان رہے تو ان سے اچھے مصرعے نہین لگا سکتا۔ آتش کے دو اشعار کی تخمیس تمثیلاً لکھی جاتی ہے۔ تین مصرعے شروع کے نسیم کے ہین اور دو مصرعے آخر کے آتش کے

نہ خونی کفن ہین نہ گھائل ہوئے ہین
نہ زخمی بدن ہین نہ بسمل ہوئے ہین
لہو مَل کے کُشتون مین داخل ہوئے ہین
تمھارے شہیدون مین شامل ہوئے ہین
گل و لالہ و ارغوان کیسے کیسے

وجود بشر کیا عدم ہی عدم ہے
کہ ہے آدمی جب تلک دم مین دم ہے
شکم پرور حرص نازو نعم ہے
کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زبان کیسے کیسے

اسی طرح چودہ پندرہ اشعار پر مصرعے لگائے۔ جب آتش نے غزل ختم کی تو صبا، رند و خلیل کے چہرون کے

رنگ فق تھے۔ ابھی تک یہ لوگ اپنے تئین اہلِ زبان خیال کرتے تھے اور نسیم کو ہندو سمجھ کر زیادہ وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھتے تھے۔ لیکن اُس روز سب لوہا مان گئے کہ موزونی طبع ہو تو ایسی ہو، اور مضمون آفرینی کا مادہ ہو تو ایسا ہو۔

نسیم کی جو وقعت شعرائے لکھنو کے زمرہ مین تھی اِس کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعے سے ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ دہلی سے تین مصرعے امتحاناً لکھنؤ بھیجے گئے۔ کہ شاعرانِ لکھنؤ ان پر مصرعے لگا کر بھیجین۔ تینون مصرعے حسب ذیل ہین۔

(۱) ناتوان ہون کفن بھی ہو ہلکا

(۲) اِس لئے قبر مین رکھا نہین زنجیر سمیت

(۳) من می روم بہ کعبہ و دل می رود بہ دیر

اب اہلِ لکھنؤ کی یہ کوشش ہوئی کہ ایسے مصرعے لگا کر بھیجے جائین کہ دہلی والون کو بھی یہان کی شاعری کا قائل ہونا پڑے۔ اگر مصرعے سست لگے تو کر کری ہو جائے گی۔ غرضکہ تین شخصون کو جو کہ ہر طرح سے اِس کام کے لئے موزون خیال کئے گئے ایک ایک مصرعے پر مصرعہ لگانے کا کام سپرد ہوا۔ پہلا مصرعہ ناسخ کو دیا گیا۔ دوسرا آتش کو اور تیسرا نسیم کو۔ گو کہ اس وقت اور بڑے بڑے شاعر بھی موجود تھے۔ مگر آتش و ناسخ کے ساتھ لکھنؤ کی آبرو قائم رکھنے کا شرف نسیم ہی کو حاصل ہوا۔ تینون اُستادون نے جی توڑ کر مصرعے لگائے ہین۔ ناسخ کا مصرعہ ہے

ڈال دے سایہ اپنے آنچل کا

(ناتوان ہون کفن بھی ہو ہلکا)

آتش نے کہا

حشر مین حشر نہ برپا کرین یہ دیوانے
(اِس لئے قبر مین رکھا اُنہین زنجیر سمیت)

نسیم کا مصرعہ بھی لاجواب ہے۔

دارم ز دین و کفر بہ ہر یک قدم دو سیر
من می رَوَم بہ کعبۂ دل می رَوَد بہ دَیر

یہ معرکے اُب تک لکھنؤ مین یادگار ہین۔

مگر افسوس کہ اس حبیب قوم کے ساتھ عمر نے وفا نہ کی۔ "گلزار نسیم" کو شایع ہوے چار برس گذرے تھے کہ باغِ جوانی پر اوس پڑ گئی۔ ہیضہ کی بیماری نے دفعتاً خاتمہ کر دیا۔ اپنے شعر کے آپ ہی مصداق ہوے۔

روح روان وجسم کی صورت مین کیا کہون | جھونکا ہوا کا تھا اِدھر آیا اُدھر گیا

سنہ ۱۲۶۳ھ مین تینتیس سال کی عمر مین وفات پائی۔ کسی شاعر نے رباعی کہی۔

مغموم رکھا مُدام دلگیری نے | مارا ہے جوان فلک کی بےپیری نے
واللہ کہ آتش فروغ ناسخ | ٹھنڈی کردی نسیم کشمیری نے

پنڈت تربھون ناتھ سپرو ہجرؔ

(ماخوذ از "کشمیر درپن"۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء)

ذوقؔ مرحوم کی تربت کو خدا عنبرین کرے کیا دردناک دل پایا تھا۔ فرماتے ہین ؎

کھل کے گل کچھ تو بہارِ جان فزا دکھلا گئے

حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے

یہ شعر اُن بیکسون کا مرثیہ ہے جن کا چراغ ہستی سرِ شام ہی گُل ہوگیا اور جو دُنیا سے ناشاد ونامراد گئے۔ چنانچہ یہ جوان مرگ جس کا نام زیب عنوان ہے انہین حرمان نصیبون مین ہے جن کی زندگی کی بہار جان فزا پر قبل از وقت اوس پڑ گئی اور جن کے غنچۂ آرزو بن کھلے مُرجھا گئے لیکن اِس وارِوی کے عالم مین طبیعت کی رنگینی اور بیان کی شوخی نے اپنا سکّہ قدردانون کے دل پر جما دیا اور وہ کیفیتین دکھائین جن کی یاد اب تک پس ماندہ احباب کے دل مین دردِ محبّت پیدا کرتی ہے۔ یہ مانا کہ حضرتِ ہجرؔ کو زمانے نے شہرتِ عام کا تمغہ نہین عطا کیا اور مثل صیفیؔ وضمیرؔ ونسیمؔ وسرشارؔ کے سخندانانِ کشمیر کی بزم نورانی کے بالانشینون مین اِن کا شمار نہین ہوسکتا۔ مگر تاہم اِس بزم کے جس گوشے مین یہ بیٹھے ہین اُس گوشے کی اِن کی ذات سے رونق ہے۔ لہٰذا مُناسب

معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرقع حیات بھی ہدیۂ ناظرین کیا جائے

حضرتِ ہجر کے والد ماجد کا نام پنڈت شمبھر ناتھ صاحب سپرو متخلص بہ صابر تھا حضرتِ ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنیا میں پیدا ہوے تھے - مگر زیادہ تر سکونت سے فیض آباد فیضیاب رہا - علوم مشرقی کی تعلیم زمانے کے دستور کے مطابق مکتب میں حاصل کی - انگریزی میں کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے تک سلسلۂ تعلیم جاری رہا لیکن امتحان کی ناکامیابی نے دل توڑ دیا - اس سلسلہ کو ترک کرنا مناسب سمجھا - بعد ازان فکر معاش میں اودھ کے مختلف ضلعوں میں گھومتے رہے - آخرکار گونڈہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر گردشِ تقدیر نے چین نہ لینے دیا - دو سال گذرے تھے کہ درد زانو کی شکایت پیدا ہوئی - مرض نے نہایت طول کھینچا مجبور ہو کر فیض آباد علاج کے لئے واپس آنا پڑا - یہاں موت کا فرشتہ تاک لگائے بیٹھا تھا - غرضکہ چھ مہینے بیمار رہ کر مارچ ۱۸۹۲ء میں حضرتِ ہجر نے احباب کو داغ مفارقت دیا - تخمیناً ۳۹ سال کی عمر پائی -

حضرتِ ہجر کے جوہر کمال کا اندازہ کامل طور پر اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے ہو جبکہ اردو زبان میں انقلاب عظیم درپیش تھا اور اس کی انشا پردازی کا رنگ بدل رہا تھا - حضرتِ ہجر ان چند جدت پسند بزرگواروں میں ہیں جن سے کہ اس انقلاب کی بنیاد پڑی - یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریزی تہذیب و تربیت کا رنگ اردو زبان کے پیراہن پر چڑھ رہا تھا، یعنی لوگ رجب علی سرور کے تکلفات و تصنع کو خیرباد کہہ کر نثر اردو کو سادگی کے زیور سے آراستہ کر رہے تھے - اس اختراع و ایجاد کا ذریعہ اودھ پنچ تھا - اودھ پنچ کی اردو

مین ایک خاص سادگی، بے تکلفی، نازکی اور دلبستگی کا رنگ تھا جو کہ قدما کے طرز عبارت کے برعکس تھا۔ اِس موقع پر اِس امر کا اعلان ضروری ہے کہ گو کہ اودھ پنچ ظرافت کا پرچہ تھا مگر اس کے مضامین محض ظرافت کے لحاظ سے زیادہ قابل قدر نہین ہوتے تھے۔ یون تو ظرافت کے معنی آج کل بہت وسیع ہین سلامتی سے ہر محلّے مین دس بارہ ظریف مل جائینگے۔ ہر طفل مکتب جس کو پیر نجارا کی زبان مین کچھ مداخلت حاصل ہے اپنے تئین نعمت خانِ عالی سمجھتا ہے۔ لیکن اگر ظرافت کا اعلیٰ معیار پیش نظر رکھکر اودھ پنچ کے مضامین کا اندازہ کرین تو ہم کو مایوس ہونا پڑتا ہے۔ اِس مین شک نہین کہ اس کے مضامین مین طبیعت داری اور بذلہ سنجی کے اعلیٰ نمونے موجود تھے۔ مگر وہ بات کہان جو غالب دہلوی کی روزمرّہ کی باتون مین تھی کہ جو فقرہ زبان سے یا قلم سے نکل گیا وہ آج تک سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور جتنے مرتبہ دُہرائیے اُتنا ہی زیادہ لُطف دیتا ہے۔ مگر اس بات سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ اُردو زبان اودھ پنچ کے احسان سے کبھی سبکدوش نہین ہو سکتی اودھ پنچ کے مضمون نگارون نے اُردو نثر کے پیرون سے تصنّع کی بیڑیان کاٹین اور پُرانی قیدون سے آزاد کیا۔ اِس زمرہ مین ہجر و سرشار و ستم ظریف و احمد علی شوق اور خود لائق اڈیٹر منشی محمد سجاد حسین صاحب کا پایہ عالی تر ہے۔ اِن حضرات مین سوائے سرشار کے کسی سے ایسی تصنیف یادگار نہین جس سے کہ مصنّف کا نام صفحۂ ہستی پر اُردو زبان کے وجود تک قائم رہے لیکن اگر کبھی اس انقلاب کی تاریخ لکھی گئی جو کہ اودھ پنچ نے اُردو انشا پردازی مین پیدا کر دیا تو یہ لوگ آیندہ نسلون کے شکریہ کے مستحق ضرور مانے جائین گے۔ غرضکہ یہ ثابت ہوا کہ حضرت ہجر اُن چند حضرات مین ہین جنھون نے کہ اُردو زبان کو اپنے احسان سے گرانبار کیا ہے۔ منشی

محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ اودھ پنچ کے پہلے خریدار حضرت ہجر تھے۔ اور سال بھر تک قریب قریب ہر پرچے مین آپ کے ایک دو مضامین شایع ہوا کیے۔ مگر افسوس کہ وہ جلسہ برہم گیا نہ ہجر ہین نہ سرشار۔ نہ ستم ظریف۔ وہ کیفیت ہی نہین۔ ؎

اے مصحفی مین رؤون کیا اگلی صحبتون کو ۔۔۔ بن بن کے کھیل ایسے لاکھون بگڑ گئے ہین

خود منشی سجاد حسین صاحب کو مکروہاتِ زمانہ نے ایسا ستا رکھا ہے کہ مدت سے آپ کے صریر قلم کا نغمہ نہین سنائی دیا۔ افسوس۔ ؎

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۔۔۔ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اودھ پنچ کا بھی اب وہ رنگ نہین۔ بس اب اپنے گذشتہ عظمت کے مزار پر چراغ روشن کیے ہوے ہے۔ اس تشریح کے بعد ہم حضرتِ ہجر کی طباعی اور جدت پسندی کا اندازہ کر سکتے ہین۔ اس موقع پر آپ کے مضامین کے اکثر حصے بر سبیل اقتباس لکھے جاتے ہین جن سے کہ آپ کی تحریر کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ پرتاب گڈھ سے بحیثیت نامہ نگار اودھ پنچ لکھتے ہین۔ ” سردی کا مہینہ کیا شروع ہوا کہ پرتاب گڈھ کرہ زمہریر بن گیا۔ ہفتہ گزشتہ بھر آفتاب کی صورت دیکھنے کو ترس گئے“ وہ جھما جھم پانی برسا کہ دمبدم یہی خوف معلوم ہوتا تھا کہ خطۂ یونان کی طرح تمام تختہ کا تختہ دریا برد نہ ہو جائے۔ تمام شب وظیفہ پڑھتے گذری۔ ہر لحظہ و ساعت یہی خیال رہتا تھا کہ کہین کھپریل کی چھت رکوع مین آ جائے ...... ہان آپ نے کچھ اور بھی سُنا فرخ سیر کے وقت مین۔ ع

باران بارید ریزہ قند و نبات

واللہ اچھا چاشنی دار ابر تھا۔ مگر افسوس لکھنؤ مین ایسی بارش نہ ہوئی کہ ہر ایک چھینٹے کے بعد

ذرا منہ میٹھا ہوتا۔ (اودھ پنچ مطبوعہ ۲ر فروری سنہ ۱۸۷۷ء)

ہولی پر ایک معرکے کا مضمون لکھا ہے جو کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس سے بھی اقتباس حسبِ ذیل ہے۔

"واللہ ہولی کی فصل کیا آئی گویا اندھیری رات مین سُرخ مہتاب چھوٹی۔ ایک عالم بیربہوٹی کی طرح سُرخا سُرخ ہوگیا۔ ٹیسو پھولنے سے جنگل مین منگل ہو رہا ہے۔ قطعہ کا قطعہ لال بھبوکا معلوم ہوتا ہے۔ باغ بغیچون (باغیچون) مین گل عباس، گل اورنگ، گل آفتابی، گلِ شفتالو، گلنارگلِ سُرخ، کھلے ہوئے الگ الگ اپنا جوبن دکھارہے ہین۔ اور ؎

چھوٹ سے لالۂ احمر کے ہے یہ رنگ بہار   لال ہے مثل شفق رنگِ سپہر گردون

آج کل زمانہ نے کچھ ایسا رنگ بدلا ہے کہ سبزی، کاہی، وغیرہ جتنے رنگ تھے سب اُڑ گئے۔ اَب جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھئے گلنار، گلابی، عنابی، بنفشئی، کے سوا دوسرا رنگ نظر نہین آتا۔ ...... شوقینون نے جانور بھی پالے تو لال ہی پالے ——— اِس فصل مین لڑکا بھی پیدا ہوتا ہے تو لال خان یا ہوری لال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"

اِن انتخابات سے حضرتِ ہجر کی طرز تحریر کا انداز کھلتا ہے۔ خیالات کی شوخی اور عبارت کی روانی اور چلبلا پن لکھنے والے کی طبیعت داری کے شاہد ہین۔ یہ وہی رنگ ہے جس کو حضرتِ سرشار نے فسانۂ آزاد مین معراج دی۔ اِس زمانہ مین جبکہ سلیس اور سادہ اُردو لکھنے کا عام رواج ہے۔ ایسا طرز تحریر زیادہ حیرت نہین پیدا کرتا۔ لیکن اگر یہ خیال ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مضامین پچپیس برس اُدھر کے لکھے ہوئے ہین جبکہ اس طرز تحریر کی بنیاد پڑی، تو ہم کو حضرتِ ہجر کی جدتِ طبع کا قائل ہونا

پڑتا ہے۔ اودھ پنچ کے علاوہ آپ سنجیدہ مضامین مختلف رسالون اور اخبارون مین لکھا کرتے تھے۔ یہ امتیاز زیادہ تر مراسلۂ کشمیر اور مرۃ الہند، وکیل ہند وغیرہ کو حاصل ہوتا تھا۔ "ماہیت خواب" "نفس امارہ" "ترقی تہذیب" "مسئلہ ویدانت" وغیرہ پر اکثر معرکے کے مضامین لکھے جن کو کہ عبارت کی سلاست اور پاکیزگی اور خیالات کی بلندی کی وجہ سے پسند عام اور قبول خاص کا شرف نصیب ہوا حضرت ہجر کے زباندان ہونے مین شک نہین، اکثر انگریزی خیالات کا عکس اُردو مین اس صفائی سے اتارا ہے کہ بارک اللہ۔ کہین پر عجز کا شبہہ بھی نہین ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف قلم چلا جاتا ہے۔ تمثیلاً ایک لطیفہ لکھا جاتا ہے جو کہ انگریزی لطیفے کا ترجمہ ہے۔

"حضرت شرڈین ایک مہاجن کے مقروض تھے پیسہ ٹکا پلے نہ تھا۔ ایسے وقت مین تقاضے کو مہاجن صاحب تشریف لائے۔ شرڈین نے چھوٹتے ہی ایسا فقرہ چست کیا کہ مہاجن تمام آٹے دال کا بھاؤ بھول گئے۔ شرڈین نے کہا بھئی فی الحال اگر اصل مانگتے ہو تو بے سود ہے اور اگر سود چاہتے ہو تو در اصل نہین۔ یہ سُن کر مہاجن گھبرایا۔ اور پوچھنے لگا کیون جناب میرا روپیہ ملے گا یا نہین۔ شرڈین نے ہنس کر جواب دیا۔ واللہ تم بھی بالکل آدمی ہو۔ گھبرائے جاتے ہو۔ خاطر جمع رکھو، قرض پر تو ہمارا تمام کارخانہ چلتا ہے۔ انشاء اللہ تم ہی سے روپیہ لیکر ادا کیا جائیگا۔"

(اودھ پنچ۔ مطبوعہ مارچ ۱۸۷۷ء)

اس سے کسی شخص کو انکار نہین ہو سکتا کہ ایک زبان سے دوسری زبان مین کسی لطیفے کا ترجمہ کرنا اور اصل مذاق قائم رکھنا کار آسان نہین۔ کیونکہ مذاق کا پہلو بہت کچھ زبان کا پہلو لئے ہوتا ہے۔ مگر حضرت ہجر کے زور قلم کے سامنے اس مشکل کا آسان کرنا دشوار نہ تھا۔ چنانچہ

اصل اور سود کے لفظ سے اس لطیفے کی رونق دوبالا ہوگئی ہے - اِس قسم کی پاکیزگی اور سلاست کی قدر زیادہ معلوم ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ بعض حضرات معمولی باتون کا ترجمہ کرنے مین زبان سے کیا کیا گاؤزوریان کرتے ہین - مین نے ایک رسالہ مین دیکھا کہ مصنف نے Loose Morals کا ترجمہ ڈھیلا اخلاق کیا ہے - جن لوگون کے کانون مین سلاست زبان کا نغمہ سمایا ہوا ہے وہ ایسا ترجمہ نہ کرینگے - مگر ہر کس و ناکس کے کان اِس نغمہ سے آشنا نہین - یہ جوہر خداداد ہے -

شاعری کے لیے بھی حضرتِ ہجر کی طبیعت خاص طور سے موزون تھی - قدر بلگرامی (نور اللہ مرقدہٗ) کے شاگرد تھے - اُردو سے تو اُن کو خاص اُنس تھا - اِس کے علاوہ منشی محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ فارسی کا کلام ان کا خوب ہوتا تھا - اکثر احباب کے جمگھٹے دریا کنارے ہوتے تھے - وہان حضرتِ ہجر برجستہ اشعار تصنیف کیا کرتے تھے - غزل کم کہتے تھے، مُسدّس کا رنگ زیادہ پسند خاطر تھا - اِس قسم کی نظمون مین "لسان الغیب کشمیر" "کچّا چِٹھا" "نوحۂ کشمیر" "فغانِ کشمیر" نے زیادہ شہرت پائی - مگر افسوس ہے کہ اُنھون نے اپنے کلام کی قدر نہ کی - خدا جانے یہ کیا قدرت کا راز ہے - اکثر صاحب جوہر اپنے جوہر کی قدر نہین کرتے - انیس مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیس   مرتبہ مشک کا آہوے ختن کیا جانے

چنانچہ حضرتِ ہجر نے کبھی کسی مضمون یا نظم کا مسودہ اپنے پاس نہین رکھا - حافظہ کا یہ عالم تھا کہ نظم کا کلام ازبر رہتا تھا - شاید یہی وجہ اس بے توجہی کی ہو لیکن ان کے مرنے کے بعد بابو گنگا پرشاد صاحب ورما ایڈیٹر اخبار "ایڈوکیٹ" و "ہندوستانی" نے کچھ ان کا کلام جمع کرکے ترتیب دیا تھا اور یہ ارادہ تھا کہ ایک مجموعہ کی صورت پر شایع کیا جائے مگر شومیٔ تقدیر سے وہ بھی تلف ہوگیا

ایک مسدس ان کا موسوم بہ "کچا چٹھا" اکثر بزرگانِ قوم کے پاس موجود ہے - یہ وہ لاجواب نظم ہے جو کہ انھون نے قومی جھگڑے کے موقع پر تصنیف کی تھی - اِس کے پڑھنے سے ان کی زباندانی اور جوشِ طبیعت کا اظہار ہوتا ہے - اِس نظم مین نہ رنگین بیانی کو دخل ہے نہ زیادہ تر تشبیہون و استعارون سے کام لیا ہے - لیکن شکوہ الفاظ اور ترکیب کی چستی کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دریا اُمڈا چلا آتا ہے - سیدھی سیدھی باتین ہین مگر گرمیٔ تاثیر سے مالا مال - ایک ایک حرف اپنے دامن مین ایک شعلہ چھپائے ہوے ہے - واقعی کس جوش و خروش کا مطلع ہے - ؎

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے — جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلون کو ضعیفون کے دھڑکانے والے — نیا روز اک جوڑ پھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیان ہین
یہ کیا قوم مین رخنہ اندازیان ہین

یا ایک مقام پر بگڑ کر کہتے ہین - ؎

اگر لکھنؤ مین تمھین باخدا تھے — بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم مین تم ہی دھرم آتما تھے — بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی مین سنیاس لیتے

یا قوم کی حالتِ زار کا نقشہ یون کھینچتے ہین - ؎

ہر اک قوم مین صید رنج و محن ہے — نہ وہ صحبتین ہین نہ وہ انجمن ہے

بدی پر پھرا مسال چرخِ کہن ہے　　　نہ ہے جوش قومی نہ حُبِّ وطن ہے

محبّت ہے باقی نہ الفت ہے باقی

پڑی قوم مین پھر ہے نا اتفاقی

اِن متفرق بندون کے پڑھنے سے وہ سمان آنکھون کے سامنے نہین بندھ سکتا جس کے لئے کل مسدّس کا پڑھنا شرط ہے - قومی جھگڑے کے متعلق بہت نظمین اہل قوم نے شایع کین لیکن صرف دو نظمین ایسی تصنیف ہوئین جن کا خیال قدر دانان سخن اپنے دل سے خوشی سے نہ مٹائینگے ایک "تحفہ سُرشار" یعنی پنڈت رتن ناتھ دَر کی مثنوی - اور دوسرا یہ مسدس جو کہ حضرت ہجر کے روز فکر کا نیتجہ ہے - سنا گیا ہے یہ مسدس جس کا ایک مصرع بھی بیکار نہین اور جس مین ستاؤن بند ہین - ایک شب مین لکھ ڈالا تھا اور وہ بھی تپ کی حالت مین - مولانا حالی کا مسدس بھی اسی رنگ مین ہے - مگر جونکہ مولانا ممدوح کے دل مین شاعری کی آگ نہین روشن ہے لہذا ان کے مسدس مین اس جوش وخروش کا اظہار نہین جو کہ کچے چھٹے کا خاص جوہر ہے -

فیض آباد مین ایک انگریز نے سرجو کی تعریف مین ایک نظم کہی تھی اس کا ترجمہ حضرت ہجر نے اُردو مین کیا تھا - وہ نظم تو کُل کلام کے ساتھ تلف ہوگئی صرف ایک شعر یاد ہے جو کہ لاجواب ہے -

کیا لطف ہے شام کو لبِ جو　　　اک ناز سے بہ رہا ہے سرجو

دو غزلین فارسی کی اَودھ پنچ مین نظر سے گذرین چند شعر اِن مین سے اقتباس کر کے لکھے جاتے ہین -

ناصحا نسخۂ تالیف قلوب　　　کیمیائیست کہ من می دانم

بہر نظارہ بہ معبد رفتن　　　اتقائیست کہ من می دانم

ہر کہ در ہند فرنگی زاد است   بادشائیست کہ من می دانم

حیف صد حیف سیہ فامی ہند   لا دوائیست کہ من می دانم

از پئے رزق بہم سودن کف   آسیائیست کہ من می دانم

ہجر خاکِ کفِ پائے محبوب   توتیائیست کہ من می دانم

دوسری غزل جس کی سُرخی "بیکسی کا چکارہ" ہے حسب ذیل ہے واقعی کیا درد آمیز لہجہ ہے۔

در کنج غم افتادم و دمساز کسے نیست   دردا! کہ بہ فریادم و فریاد رسے نیست

بر بیکسیم بین کہ زلیسنس ٹکس آہ   می نالم و جز نالہ کسے ہم نفسے نیست

اقلیمِ تجارت ز غمم آمد بہ تکلّم   جانکاہ تراز من بجہان آہ کسے نیست

آتش زِن کالائے شکیب است گرانی   می گریم و از گریہ ام آگاہ کسے نیست

در معرضِ بحث آمدہ آزادیِ اخبار   صد حیف چو مٹکاف کسے دادرسے نیست

یہ غزل اُس وقت کی ہے جب کہ ٹیکس وغیرہ بندھنے کا زمانہ تھا اور غلہ کی گرانی سے اہلِ ہند نالان تھے۔ اِس سلسلہ مین اس امر کا ذکر لازم ہے کہ حضرتِ ہجر کے والد ماجد پنڈت شمبھر ناتھ صاحب سپرو بھی اُردو فارسی کے ماہر تھے۔ قلم مین بھی زور تھا۔ چنانچہ مختلف کتابین ان سے یادگار ہین۔ جن مین کہ سراب حیات" اور "تو زک جرمنی" کا مرتبہ بلند ہے۔ میرے دوستو! اگلے وقت کے بزرگون کا علمی شوق قابلِ قدر ہے۔ پنڈت شمبھر ناتھ علاوہ دفتر کے چھ گھنٹے کام کرنے کے چار پانچ گھنٹے روز کتب بینی مین صرف کرتے تھے۔ حضرتِ ہجر نے ایسے قابل باپ کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی تھی۔ مگر دونون کی طبیعت کا رنگ بالکل جُداگانہ تھا۔ پنڈت شمبھر ناتھ کے طرز عبارت مین

پُرانی چاشنی کا مزہ قائم ہے۔ وہی مسجع عبارت، وہی محمد شاہی ترکیبین، وہی تصنع اور تکلفات کا رنگ ان کے تصانیف کے ہر صفحے پر مُرجھائے ہوئے چمن کی گذشتہ بہار کی یاد دلاتا ہے۔ گو کہ اُنھون نے یہ زمانہ بھی دیکھا تھا۔ مگر ان کے دل کو طرز قدیم سے محبت تھی۔ بر خلاف اِس کے حضرتِ ہجر کے انداز تحریر مین ایک قدرتی کیفیت ہے۔ جس پر ہزار مصنوعی تکلفات قربان ہین۔ سنجیدہ مضامین مین بھی طبیعت کی شوخی اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ بس معلوم ہوتا ہے کہ ابر کے پردے مین بجلی چمک رہی ہے۔

حضرتِ ہجر کے جاننے والے سب ان کی طبیعت داری کا لوہا مانتے تھے۔ اوائل عمر ہی سے طبیعت اپنا رنگ دکھلانے لگی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ مین مختلف اخبارون اور رسالون مین مضامین لکھا کرتے تھے۔ عجب خداداد ذہن پایا تھا۔ ہر رنگ مین اپنا رنگ جما لیتے تھے۔ کشمیری، پنجابی، ہندی، بنگالی زبانون مین اِس لہجہ سے گفتگو کرتے تھے کہ اہلِ زبان مین اور ان مین فرق نہین معلوم ہوتا تھا۔ انگریزی مین اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہین پائی تھی لیکن چونکہ کتب بینی کا شوق ہمیشہ قائم رہا۔ لہذا اِس زبان مین بھی اچھی دستگاہ پیدا کر لی تھی۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کا یہ عالم تھا کہ جس صحبت مین بیٹھتے تھے اُس کی زینت ہو جاتے تھے۔ زبان مین جادو تھا۔ بیٹھے بیٹھے ایک فقرہ ایسا کہہ دیا کہ سُننے والے ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ مگر ان کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑی۔ گویا کچھ جانتے ہی نہین۔ اِن کے دلآویز لطائف و ظرائف ان کے احباب کے اب تک ورد زبان ہین۔

ایک مرتبہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ وہان ایک بزرگ قوم سے ملاقات ہوئی جو کہ شاعری کا شوق رکھتے تھے۔ مگر فارسی مین کہتے تھے۔ اور اکثر غلبۂ ذکاوت سے خبط اور مہمل بھی بک جاتے تھے۔ چنانچہ حضرتِ ہجر کو بھی اُنھون نے اپنا کلام سُنایا اور دیر تک سمع خراشی کرتے رہے۔ دوسرے

روز جب ملاقات ہوئی تو انہون نے حضرت ہجر سے فرمائش کی کہ آپ اپنا کلام یا کسی اُستاد کا کلام سُنائیے۔ اُنہون نے پیشتر سے ایک غزل فارسی مین تیار کر رکھی تھی جس کی نشست الفاظ نہایت چُست اور بندش نہایت پختہ تھی اور مختلف اشارے اور کنائے ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بڑے دقیق اور فلسفیانہ مضامین نظم ہین لیکن اصل مین ہر ایک شعر مہمل اور بے معنی تھا حضرت ہجر نے اُن کو یہ غزل سُنائی اور کہا کہ قاآنی کی تصنیفات سے ہے' بس پھر کیا تھا وہ صاحب ان اشعار پر مفتون تھے اور شاعر کی نازک خیالی اور بلند پروازی کی داد دیتے تھے۔ یہان تک کہ آٹھ روز مین نہایت مشقت سے اس غزل کی شرح تیار کی جو کہ آخر مین اودھ پنچ کی نذر کی گئی تھی۔

اِس قسم کے لطیفے اکثر اُن سے یادگار ہین۔ حضرت ہجر کا ادب وانکسار بھی قابل تعریف ہے جس سے کہ وہ ہمیشہ ہر دلعزیز رہے۔ کبھی تنگ ظرفی کو سینہ مین جگہ نہ دی اور ایسی بات نہ کی جو کہ دشمن کو بھی ناگوار ہو۔ باوجود اِس فضیلت واعزاز کے چشم مروّت نشۂ غرور سے نہ جُھکی۔ منشی محمد سجاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ سوا تعریف کے کبھی اُن کے مُنہ سے کسی کی بُرائی نہ سُنی اگر کسی نے کبھی اُن کی شان مین بے ادبی بھی کی تو چشم پوشی کر گئے۔ بقول انیس۔ ؎

غیظ دیکھو سب کی سُن لی پر نہ کچھ اپنی کہی | اِس بانداز پہ گویا بے زبان پیدا ہوے

ایک مرتبہ "طوطی ہند" کے اڈیٹر نے ان کے ایک مضمون کا مضحکہ اُڑایا اور ظرافت کے جوش مین تہذیب و شرافت پر خاک ڈالنے سے بھی نہ درگذر کیا۔ حضرت ہجر نے اِس کے جواب مین ایک مختصر سا مراسلہ اودھ پنچ مین شایع کیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"حضرت اڈیٹر طوطی ہند! آپ نے جو کچھ میری نسبت تحریر فرمایا ہے وہ مضمون نگاری

کی شان کے خلاف ہے اگر آپ ظرافت کے پیرایہ مین میرے مضمون کا جواب دیتے تو بہتر ہوتا، آپ نے جو ذاتی حملے مجھ پر کئے ہین مین اُن کا جواب ترکی بہ ترکی دینا پسند نہین کرتا، ہان اتنا ضرور کہون گا کہ مین کس قابل ہون - جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سب آپ کی تعریف ہے"

غرضکہ عجب شریف و باوضع آدمی تھا - زندہ دلی کا وہ عالم کہ کبھی غم و غصّہ کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا - گو کہ زمانے نے بیوفائی کی مگر اُن کا ہمیشہ یہی اصول رہا کہ ع

"دل پر ہجوم غم ہو جبین پر شکن نہ ہو"

یہ زندہ دلی مرتے دم تک اُن کی رفیق رہی -

مگر حیف کہ فلکِ پیر حضرتِ ہجر کی جوانی نہ دیکھ سکا - کیا افسوس کا مقام ہے - ؎

کچھ عمر بھی نہ پائی تھی ایسے سن نہ تھے
کہتا تھا خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

پنڈت رتن ناتھ در سرشار

(ماخوذ از "کشمیر درپن" مئی سنہ ۱۹۰۸ع)

اینت "رتن ناتھ در" در ہمہ دانی سمر — آنت فسانہ نگر کان ہمہ ایجاد اوست
شعر وے اندر دہن صد چمن اندر چمن — نطق زبانِ سخن مرغِ چمن زاد اوست
مصرع پیچیدہ اش عرعرِ بالیدہ اش — معنی پیچیدہ اش طرۂ شمشاد اوست
خامہ بجامہ نہاد زہرہ عطارد بزاد — فکرِ تصور نژاد خسلخ نوشاد اوست
بست بہ فکرِ رسا معنیِ نایاب را — بستنِ بالِ ہما عشوۂ صیاد اوست
مریم او طبع بکر عیسیِ او تازہ فکر — روح قدس را بفکر ہمتِ پاساد اوست
مصرع تاریخ باز قدر چنین فراد ساز — سروِ چمن زار ناز قصۂ آزاد اوست

(قدر بلگرامی)

اہل کشمیر میں دو صاحب ایسے گذرے ہیں جن کی شہرت کا دامن قیامت کے دامن کے ساتھ وابستہ رہیگا۔ ایک پنڈت دیا شنکر نسیم جن کے فیض سے چمنستانِ نظم کو شادابی حاصل ہوئی۔ دوسرے حضرت سرشار جنھون نے حدیقۂ نثر اردو میں نئی روشیں نکالیں اور جن کی جادو بیانی کا

شہرہ آج ہندوستان بھر مین ہے مگر واہ ری بے ہمتی کہ ایسے باکمال کی زندگی کے حالات کا پتہ چلنا ہمارے لئے دشوار ہے۔ اور پھر ایسی حالت مین جب کہ اُس کو دنیا سے اُٹھے ہوے کچھ عرصہ نہین گذرا دریافت کئے پر سال ولادت نہ معلوم ہو سکا۔ اندازاً یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب کہ حضرت سرشار لکھنؤ مین پیدا ہوے تو محمد علی شاہ کا آخری عہد تھا۔ چار برس کی عمر تھی کہ آپ کے والد پنڈت بیجناتھ صاحب دَرؔ قضا کر گئے۔ اِس صورت مین حضرتِ سرشار دامانِ مادری کے سایہ مین پرورش پاتے رہے۔ کہتے ہین کہ بچپن ہی سے شوخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ایامِ طفولیت مین طبّاعی اور ذہانت زبان کی طرّاری کے پردے مین اپنا رنگ دکھاتی تھی۔ جس مکان مین رہتے تھے اُس کے پڑوس مین اہل اسلام کی مخدرات رہتی تھین۔ حضرتِ سرشار نے لڑکپن مین اُردو زبان انہین شریف خاتونون سے سیکھی اور انہین کے فیضانِ صحبت سے اِن کو بیگمات کے طرزِ معاشرت سے بہت کچھ آگاہی کم سنی ہی کے زمانے مین ہو گئی تھی۔ معمولی آدمی پر یہ تربیت کچھ اثر نہ پیدا کرتی حضرتِ سرشار مین چونکہ ذہانت اور جودت کا خلقی مادہ موجود تھا لہٰذا ان کے حق مین ایسی پاکیزہ صحبت کیمیا ہو گئی۔ جب فسانۂ آزاد لکھا تو لڑکپن کی تحقیقات کا یہ ذخیرہ دماغ مین موجود تھا۔ عربی اور فارسی کی تعلیم بھی دستور قدیمہ کے مطابق پائی۔ جب زمانہ نے سلطنتِ اودھ کا ورق اُلٹا، اور انگریزی حکومت کی بنیاد پڑی تو انگریزی تعلیم کے لئے "کیننگ کالج" قائم ہوا۔ پنڈت رتن ناتھ بھی اُس مین داخل ہوے۔ مگر کوئی ڈگری نہ حاصل کر سکے۔

جب سنِ تمیز کو پہنچے تو کھیری ضلع اسکول مین مدرسی کا سلسلہ نکالا۔ اور حصولِ معاش کا ڈھنگ ڈالا۔ اس زمانہ مین ہندوستان مین نئے خیالات کا دریا طغیانی پر تھا۔ نظام معاشرت کے

ہر صیغے مین اصلاح کے مسائل درپیش تھے - اُردو زبان پر بھی اختراع و ایجاد کا جادو چل رہا تھا۔ ایسے رسالے اور اخبار جاری ہو رہے تھے - جن مین پُرانے ایشیائی تکلفات کو خیرباد کہکر واقعات نفس الامری پر بحث ہوتی تھی - اِس سلسلہ مین ہماری قوم مین بھی ایک ماہوار رسالہ "مراسلۂ کشمیر" کے نام سے شایع ہوتا تھا، جس مین اصلاح اور رفاہ کے متعلق مضامین لکھے جاتے تھے - اِسی زمانہ مین اودھ پنچ بھی اپنا رنگ جما رہا تھا - حضرت سرشار کے دل مین انشا پردازی کا خداداد مذاق موجود تھا - لہذا "مراسلۂ کشمیر" "اودھ پنچ" وغیرہ مین لکھنا شروع کیا - گو کہ اُس وقت حضرتِ سرشار کے کمال کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا اور اُس کی شعاعین دُور تک نہ پھیلی تھین - مگر اُس وقت کے مضامین پڑھنے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ طبیعت مین ایک خاص شوخی اور بے تکلفی ہے اور طرز تحریر مین عجب تازگی ہے جو دلون کو مزہ دے جاتی ہے - ہان اتنا کہنا لازمی ہے کہ حضرتِ سرشار کی اُس زمانے کی نثر فسانۂ عجائب کی نثر کا پہلو مارتی ہے - وجہ یہ ہے کہ اُس زمانے مین رجب علی سرور مصنّف "فسانۂ عجائب" کا سکّہ لکھنؤ مین بیٹھا ہوا تھا - وہ نثر اُردو کے پیمبر سمجھے جاتے تھے - ہر مضمون نگار کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اُن کی تقلید کرے - اِس صورت مین اگر سرشار کی ابتدائی نثر مین سرور کی کیفیت پائی جائے تو جائے تعجب نہین - فارسی کا اُس زمانے مین ایسا رواج تھا کہ پہلے دو مضامین جو حضرتِ سرشار نے "مُراسلۂ کشمیر" مین اشاعت کے لئے بھیجے وہ فارسی زبان مین تھے - اِسی زمانے مین سررشتہ تعلیم کی جانب سے ایک اخبار نکلتا تھا - اُس مین اکثر علمی اور اخلاقی مضامین کے ترجمے شایع ہوا کرتے تھے - اس رنگ مین بھی حضرت سرشار نے اپنی قابلیت کا ثبوت دیا چنانچہ سررشتہ تعلیم کے مہتمم اعلیٰ نے اپنی سالانہ روئیداد محکمہ مین اس امر کا اعلان کیا کہ جیسا صحیح اور بامحاورہ

ترجمہ پنڈت رتن ناتھ کا ہوتا ہے' ایسا کسی دوسرے شخص کا صوبہ مین نہین ہوتا غرضکہ حضرت سرشار کا مضمون نگاری کا شوق دن دُونی رات چوگنی ترقی کرتا گیا - اودھ پنچ' مراسلۂ کشمیر' مرآۃ الہند' ریاض الاخبار' وغیرہ آپ کے زورِ قلم سے فیضیاب ہوتے رہے -

۱۸۷۸ء مین ایک علم طبیعی کی کتاب کا اُردو مین انگریزی سے ترجمہ کیا - اس مین آبرو ہوا وبرق وغیرہ کی ماہیت کا حال درج ہے چونکہ اس کے ہر صفحے مین تحقیقات علمی کا نور سمایا ہوا تھا لہٰذا نام "شمس الضحیٰ" رکھا - ایسے ادق مضامین کا بیان جن کا نقشہ اُتارنے کے لیئے اُردو مین پورے الفاظ بھی موجود نہین نہایت عام فہم اور سلیس عبارت مین لکھا ہے -

اُسی سال تقدیر نے حضرتِ سرشار کی زندگی کے کارنامے مین ایسا ورق اُلٹا جس سے کہ آپ کا کمال اہل ملک واہل قوم پر آئینہ ہو گیا اور خود اس صاحبِ کمال کو قبول عام کی سرکار سے نکتہ سنجی اور زبان دانی کی سند ملی' یعنی یہ وہ مُبارک سال تھا جبکہ منشی نولکشور نے حضرتِ سرشار کو "اُودھ اخبار" کی ایڈیٹری کا قلمدان سپرد کیا - اس زمانے مین "اودھ اخبار" کو جو عروج حاصل ہوا اس کا زمانہ شاہد ہے - حضرتِ سرشار نے وقائع نگاری مین بھی اپنا رنگ جما لیا - پولٹیکل اور سوشل مضامین مین بھی وہ نکتے اور باریکیان پیدا کین کہ دلون کو تسخیر کر لیا - لیکن ابھی حضرتِ سرشار کی شہرت کے تاج مین سب سے اعلیٰ نگینہ نہین جڑا گیا تھا یعنی فسانۂ آزاد کی ابھی تک بنیاد نہین پڑی تھی -

جس صورت مین ہم آج فسانۂ آزاد کو دیکھتے ہین - اس طرح پر یہ شروع مین شایع نہین ہوا تھا - مصنف نے اس کے آغاز کے وقت اس کی ابتدا و انتہا کا خیال نہ کیا تھا - اصل کیفیت فسانۂ مذکور کی بنیاد پڑنے کی یون ہے - کہ جب حضرتِ سرشار کھیری سے لکھنؤ آئے تو یہان شب و روز

یارانِ دقیقہ رس و صبح نفس کی صحبت مین گذرتی تھی، اِس صحبت مین جہان ایک سے ایک حاضر جواب و طرار موجود ہوتا تھا۔ وہان منشی سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ، و پنڈت تربھون ناتھ ہجر مرحوم بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ جہان ایسے ایسے زندہ دل موجود ہون وہان کی کیفیت کا کیا کہنا۔

ع۔ غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئے یارون مین

افسوس کہ زمانے نے اس مجموعۂ صحبت کو پریشان کر دیا۔ اب منشی محمد سجاد حسین صاحب کا دم غنیمت ہے اُردو انشا پردازی کا نام لکھنؤ مین انہین کی ذات سے زندہ ہے۔ ؎

یادگارِ زمانہ ہین یہ لوگ　　یاد رکھنا فسانہ ہین یہ لوگ

اِس صحبت مین ایک روز پنڈت تربھون ناتھ ہجر نے کہا کہ اگر کوئی ناول ایسا ہے کہ جس کا ایک صفحہ پڑھئے اور ممکن نہین کہ بیس مرتبہ نہ ہنسیے تو وہ "ڈان کوئک زاٹ" ہے۔ اگر اُردو مین اس طرز کا فسانہ لکھا جاے تو خوب ہے حضرتِ سرشار کے دل پر اُس وقت کی بات ایسی کارگر ہوئی۔ کہ اُردو مین "ڈان کوئک زاٹ" کے انداز پر مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ "اودھ اخبار" مین ظرافت کے عنوان سے مختلف مضامین شایع ہونے لگے۔ یہ مضامین عموماً لکھنؤ کے رسم و رواج کے متعلق ہوا کرتے تھے۔ مثلاً کبھی محرم پر ایک مضمون نکل گیا کبھی جہلم پر کبھی عیش باغ کے میلے پر۔ اُس وقت تک لوگون کا یہ خیال تھا کہ دس بیس مضامین نکل کر یہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ اور حضرتِ سرشار کا بھی شاید یہی منشا ہو۔ مگر لوگون کو یہ سلسلہ مضامین ایسا بھایا کہ اِس کے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ مختلف مضامین کی لڑیون کو گوندھ کر فسانہ کا سلسلہ نکالا۔ ایسے مضامین مین جن کا تعلق ایک دوسرے سے بہت ہی کم تھا، سلسلہ پیدا کرنا آسان کام نہ تھا اور اصل تو یہ ہے کہ

کامل سلسلہ پیدا نہ ہو سکا۔ اگر سلسلہ ہے تو اتنا ہے کہ اس فسانے کے رستم داستان میان آزاد خانہ برباد ہر فن مین طاق اور ہر کمال مین مشتاق ہین۔ جتنے علوم عقلی و نقلی ہین ان مین ان کو مداخلت ہے۔ سپہ گری کے فن مین بھی برق ہین۔ شاعر بھی ہین حُسن مین اگر یوسفِ ثانی کہیے تو بجا ہے۔ صبح ہوئی اور یہ بوے گُل کی طرح گھر سے نکلے، اور دُنیا بھر کی سیر پر کمر باندھ لی۔ کبھی لکھنؤ کا محرّم دیکھنے چلے آئے کبھی عیش باغ کے میلے پہنچے، کبھی کسی نوّاب کی درباداری کی۔ غرضکہ یہ جہانیان جہان گشت آدمی ہین۔ ان کے لیے کسی خاص ارادے یا مشغلے کی ضرورت نہین ہے۔ ؎

ہر صبح میزند چو شفق جوش خونِ ما موقوف بر بہار نہ باشد جنونِ ما

اس کوچہ گردی مین ایک روز ان کی نگاہ ایک ناظورۂ ملائک فریب سے لڑ گئی۔ اِدھر سے پیغام وصال ہوا۔ بعد ہزار ناز و نیاز اس پری پیکر نے جو کہ اعلیٰ درجے کی تعلیم یافتہ اور مہذب خاتون تھی اِس شرط پر ان سے شادی کرنا منظور کی کہ یہ روم جائین اور سلطان کی فوج مین شریک ہو کر روس کے خلاف لڑین۔ حضرتِ آزاد بھی اپنی دُھن کے پکّے تھے سیدھے روم پہونچے اور وہان سے سُرخ رو ہو کر اپنی محبوبہ کے پاس آئے اور خوشی خوشی بیاہ رچایا۔ اصل قصّہ "فسانۂ آزاد" اسی قدر ہے۔ مگر مصنّف کے زورِ قلم کا یہ عالم ہے کہ بچپیں سو صفحے اِس مختصر مطلب کے ادا کرنے مین صرف کیے۔ اور داستان کی دلچسپی مین فرق نہ آیا۔ علاوہ "ڈان کوئک ذاٹ" کے مختلف انگریزی افسانون کے حالات اِس مین درج ہین۔ لیکن مصنّف کے قلم مین وہ جادو ہے کہ ہر بیان کو اپنا کر لیا ہے۔ جاننے والے جانتے ہین کہ فلان داستان "فسانۂ آزاد" کی فلان انگریزی ناول سے اخذ کی گئی ہے۔ مگر ثابت نہین کر سکتے۔ حضرتِ سرشار کی یہ کیفیت تھی۔ کہ چار آدمیون مین بیٹھے ہین باتین

کرتے جاتے ہین اور وہی باتین فسانے مین لکھتے جاتے ہین۔ مگر اس انداز سے کہ عبارت کی شوخی اور مضامین کی تازگی مین سرِ مو فرق نہین آتا۔ واللہ کیا زبان پائی تھی۔ جو اس زبان سے نکل گیا عالم کو بھایا اور تاثیر کا طلسم بن گیا۔ جس زمانے مین فسانہ "اودھ اخبار" مین نکل رہا تھا حضرت سرشار کا ہندوستان بھر مین طوطی بول رہا تھا۔ ملک کے مختلف حصّون سے آپ کے پاس خطوط آتے تھے۔ جن مین آپ کی اعلیٰ دماغی قابلیت اور زباندانی کی داد دہی مدِ نظر ہوتی تھی۔ یہ خط معمولی لوگون کے نہ ہوتے تھے بلکہ ایسے حضرات کے جن کی قابلیت و لیاقت ضرور قابلِ تحسین ہے۔ تمثیلاً ایک خط مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کا ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔

جناب پنڈت جی صاحب زاد فصاحتکم۔

حضرت تسلیم۔ آپ نے فسانہ آزاد کیا لکھا ہے زبان اُردو کے حق مین مسیحائی کی ہے۔ باوجودیکہ وہ بیچاری آج کل کے زباندانون سے ایسی ڈرتی ہے جیسے میان خوجی کی قرولی سے مین خیر خدا خدا کر کے ہماری بیچاری پُرانی عمدہ زبان کے ایک آپ تو معین نکلے۔ للہ الحمد...... اور تو ہم سے کیا ہو سکتا ہے صرف ...... قطعہ تاریخ آپ کے پاس بھیجتے ہین خود ملاحظہ فرما کر قسطنطنیہ مین میان آزاد کے ملاحظہ مین ضرور بھیج دیجیے گا تاکہ وہ خود تو دیکھین نہین صاحب آپ کاہیکو تکلیف فرمائیے۔ جب چھپیگا وہ خود ہی دیکھ لینگے۔

راقم اثیم و احقر محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی

قطعہ تاریخ

تم نے نئی نکالی فسانہ کی راہ واہ — کن کن محاورون کا کیا ہے نباہ واہ

دیکھین جو شوخیان ترے خامہ کی غور سے — بولے شفیق واہ، عدو بولے آہ آہ

کرتا شرر ہے مصرع تاریخ پیشکش

کیا بول چال لکھی رتن ناتھ، واہ واہ

مگر فلکِ پیر کی تفرقہ پردازی دیکھیے کہ اس اثنا مین اودھ پنچ جو کہ شروع مین حضرت سرشار کے زورِ قلم سے فیضیاب ہوتا رہا تھا، آپ کے خلاف ہو گیا۔ فسانہ آزاد پر جا و بیجا اعتراضات کی بھرمار شروع ہو گئی۔ پھر تو اس ظرافت کے نہنگ بحر آشام نے بھی کروٹ لی اور ایسے ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ معترضین کے مُنہ پھر گئے۔ اِس فساد نے یہان تک طول کھینچا کہ منشی سجاد حسین اور حضرت سرشار سے صاحب سلامت ترک ہو گئی، مگر چونکہ دونون کا آئینۂ دل زنگِ کدورت سے صاف تھا۔ اور دونون پُرانے یار تھے لہٰذا پھر باہم صفائی ہو گئی اور اگلی سی محبت قائم ہو گئی۔ چنانچہ آخری مضمون حضرتِ سرشار کا جو کہ انھون نے مرنے کے دن لکھا تھا اودھ پنچ ہی کے لئے لکھا گیا تھا اور اس مین شایع ہوا۔ اس باہمی تنازع کا حال پڑھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ انشا پردازی کی آبروریزی ہوئی اور کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آج فسانہ آزاد مطبوع خلائق ہے۔ اِس کے اچھوتے فقرے اور لطیفے بچے بچے کی زبان پر ہین۔ اعتراض کسی کو یاد بھی نہین۔ بجز اس کے کہ اودھ پنچ کی پُرانی جلدون مین قلمبند ہین مگر وہ بھی اب کیڑے چاٹے جاتے ہین۔

غرضکہ قدردانون کے نعرہائے تحسین اور معترضین کے شور و غل مین یہ فسانہ شگرف اودھ اخبار کے ضمیمہ کے طور پر من ابتدائے دسمبر ۱۸۷۸ء لغایتہ دسمبر ۱۸۷۹ء برابر شایع ہوتا رہا۔ بعد ازین ۱۸۸۰ء مین کتاب کی شکل مین شایع کیا گیا۔ قدردانان سخن شوق کا دامن پھیلائے پہلے ہی سے بیٹھے تھے۔

شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ بٹ گیا۔ لفظون کی نئی تراش، ترکیبون کی خوبصورتی، کلام کی گرمی، مضامین کی شوخی، طرزِ تحریر کی نزاکت، جواب و سوال کی نوک جھونک، زبان کی پاکیزگی، محاورہ کی صفائی، روزمرّہ کی لطافت، ظرافت کی گلکاری، تراشون کی نئی پھبن، ایجادون کی بانکپن نے لوگون کو حضرتِ سرشار کا والہ و شیدا بنا لیا۔ اُردو مین ایسے فسانے کا شائع ہونا بالکل ایک نئی بات تھی۔ اِس موقع پر اس امر کا اعلان بھی لازمی ہے کہ محض قصّہ سمجھکر فسانۂ آزاد کی وقعت کا اندازہ کرنا سراسر نافہمی ہے۔ اِس فسانہ کی دلچسپی کا انحصار اِس کی داستان کے مسلسل ہونے پر نہین ہے۔ حضرتِ سرشار نے اِس مین لکھنؤ کی مٹی ہوئی تہذیب کا نقشہ کھینچا ہے۔ اِس مین شک نہین کہ لکھنؤ کی اس مٹی ہوئی حالت پر بھی ایک عالم ہے۔ اِس شہر مرحوم کے باشندون کا طرزِ معاشرت اِس کی گذشتہ عظمت کی یاد دلاتا ہے اور دل مین درد محبّت پیدا کرتا ہے۔ ہان نگاہ عبرت کا ہونا لازمی ہے۔ میرے دوستو! یہان کی خاک کو یہ فخر حاصل ہے کہ مین بھی کبھی امیرون اور شہزادون کی آنکھون کا سُرمہ تھی۔ یہان کی عالی شان مگر شکستہ عمارتون کے ٹوٹے پھوٹے در و دیوار، زمانہ کے نشیب و فراز کی تصویرین ہین۔ ؎

ہر کجا خشت کہن بینی درین ویرانہ   ہست فرد دفتر احوالِ صاحب خانہ

گو کہ یہان کے شرفا فلک زدہ ہیں اور زمانے نے اُن کے جاہ و جلال کو خاک مین ملا دیا ہے۔ مگر ان مین ابھی بوئے ریاست پائی جاتی ہے۔ وہ ایک خاص وضع کے پابند ہین۔ جس کو وہ آئین شرافت سمجھتے ہین اور ایک خاص تہذیب کے یادگار ہین۔ ؎

اسلاف کے کچھ اثر ہین باقی   اِس راکھ مین کچھ شرر ہین باقی

گو خوار ہوے ہین خود ہی ہے — مرجھا گئے پھول بو وہی ہے

ان کی تقریر و گفتگو شستگی و پاکیزگی کی معیار ہے۔ ان کی نشست و برخاست کا طریقہ سلیقہ وامتیاز کا دستور العمل ہے۔ ان لوگون کو جنھون نے نئی تہذیب مین نشو و نما پائی ہے۔ اور جو تہذیب قدیم کے مذاق سے بالکل ناآشنا ہین۔ پرانی روشون مین سوا ے عیوب کے کوئی جوہر نہ نظر آئے۔ مگر اہل نظر جانتے ہین کہ اس زوال کی حالت مین بھی لکھنؤ ایک مٹی ہوئی تہذیب کی عبرتناک تصویر ہے۔ جس کا رنگ ابھی بالکل نہین اڑ گیا ہے۔ باوجود ہزارون عیوب کے یہان کے باشندون کے طرز معاشرت مین اب بھی ایک لطافت ہے جو کہ بیرونجات کے رہنے والون کو نصیب نہین۔ زبان کی شستگی، طبیعت داری، علو ہمتی، جوہر شناسی، ادب و سلیقہ، حسن تقریر تو گویا شرفا لکھنؤ کی گھٹی مین پڑے ہین۔ سرشار نے جو کہ شاعر کا دماغ اور مصور کی آنکھ اپنے ساتھ لایا تھا۔ فسانۂ آزاد مین اس تہذیب کا مرقع کھینچا ہے۔ مگر صرف اس تہذیب کا خوشنما پہلو ہی نہین دکھایا ہے بلکہ اس کے وہ عیوب بھی جو اس کے جوہرون کو چھپائے ہوے ہین اور جو ہر تہذیب کے زوال مین ظہور پذیر ہوتے ہین ظرافت کے پیرایہ مین بیان کئے ہین خصوصاً محلات کے طرز معاشرت اور بول چال کا وہ رنگ دکھایا ہے کہ باید و شاید۔ بیگمات کی نستعلیق چال ڈھال اور شستہ و پاکیزہ تقریر کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے۔ نوخیز اور کمسن لڑکیون کی شوخی و طراری کا عالم دل پر بجلی گراتا ہے۔ ہر ایک بادۂ جوانی سے سرشار ہے۔ رگ رگ مین شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ایک ایک بات سے ہزار رنگینیان پیدا ہین۔ قدم قدم پر ناز و انداز قربان ہوتے ہین مگر ایسی حیا پرور کہ فرشتے ان کے دامن پر نماز پڑھین۔ پرانی جہاندیدہ

بڑھیون کی محبت آمیز بدگمانی اپنے رنگ مین لطف دیجاتی ہے - ان کی زبان سے جو نصیحت آمیز کلمے نکلتے ہین وہ ادب اور سلیقے سے معمور ہوتے ہین - مامائین، مغلانیان ہین کہ ہوا سے لڑتی ہین، ضلع جگت مین طاق ہین - زبان تڑاق پڑاق چلتی ہے - رستے چلتے لوگون پر پھبتیان کہتی ہین - نواب صاحب اپنے رنگ مین مست ہین عجب انداز سے شام کو چوک کی سیر کو نکلتے ہین - گلے مین منت کے طوق پڑے ہین، بازو مین امام ضامن کا روپیہ بندھا ہے - تین کمر تونی کا چست انگرکھا زیب بدن ہے - کمر کا عدم وجود برابر ہے - چوڑی دار پاجامہ پنڈلیون سے چپکا ہوا ہے - ٹنکے دار ٹوپی آلپین سے سر پر رکی ہوئی ہے، پانچ چار افیونی مصاحب ساتھ ہین - خدمتگار کے ہاتھ مین خاصدان ہے اور بغل مین بٹیرون کی کابک دبی ہوئی ہے - غرضکہ اسی صورت پر اس نگار بند معانی نے مختلف تصویرین مانی و بہزاد کے قلم سے کھینچی ہین اور بیچ بیچ مین ظرافت نے ایسی گلکاری کی ہے کہ جس طرح اتنی بڑی داستان لکھنے مین مصنف کا قلم نہین تھکا ویسے ہی پڑھنے والا نہین تھکتا - جہان خوجی کی قرولی میان سے نکلی کہ پڑھنے والون کی باچھین کھل گئین بہروپیے اور بوا زعفران کے معرکے ہنستے ہنستے لٹا دیتے ہین -

اردو مین حضرت سرشار اس طرز نو کے موجد ہین اور ان کا یہ فخر کہ ؎

ہر مرغ کہ پر زد بہ تمناے اسیری　　　اول بہ شگون کرد طواف حرم را

نہایت درست ہے - پرانے زمانے کے فسانون مین جن مین "فسانہ عجائب" پایہ عالی رکھتا ہے زندگی کے کل مرحلے روحانی قوتون کی مدد سے طے کئے جاتے ہین - ان مین انسانی جذبات اور دانش و بینش کی وہ تصویرین نہین پائی جاتین جن سے کہ فسانہ آزاد کی رونق و وقعت ہے -

پُرانے افسانون مین قریب قریب ہر داستان اس طرز پر ہوتی ہے۔ کہ طوطا بولا اے شاہزادہ والا تبار فلان ملک مین جو کہ یہان سے اَسی کرور کوس کے فاصلے پر ہے ایک شہزادی ہے جس کا سا حُسن نہ دیکھا نہ سُنا۔ ضیاے رخ کا یہ عالم ہے کہ اُس شہر مین رات ہوتی ہی نہین۔ یہ سُننا تھا کہ شہزادہ صاحب کو اس سے شادی کرنے کا شوق چرّایا، اب اندھا دھند نکل کھڑے ہوے۔ کہین صحراے طلسم مین اسیر ہوے، کہین دیوؤن سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ کہین رات کو پریان فرش خواب سے اُٹھا لے گئین۔ کہین حضرتِ خضر سے ملاقات ہوگئی۔ غرضکہ اسی انداز پر کل داستان کی داستان پوچ و پادر ہوا خیالات کا ذخیرہ ہوا کرتی ہے فسانۂ آزاد کے بعد یہ طرز بالکل متروک ہو گیا۔ اِس کے انداز تحریر نے ایک نیا راستہ پیدا کر دیا۔ جس نے کہ پُرانے وضع کی فسانہ نگاری کی وقعت کھو دی۔

اِس موقع پر اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ "فسانۂ آزاد" مین باوجود اس قدر خوبیون کے اکثر عیوب بھی موجود ہین۔ جو کہ قدر دانون کی نگاہون مین کھٹکتے ہین۔ اور جن کی وجہ سے فسانۂ مذکور کی اشاعت کے وقت معترضین کو حرف گیری کا موقع ملا۔ اوّلاً جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے۔ فسانۂ آزاد مین وہ سلسلہ و ترتیب یا انتظام نہین ہے جو کہ عموماً ناول کی شان مین داخل سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ثریا بیگم کی داستان بجاے خود ایک چھوٹا سا فسانہ ہے جس کا تعلّق کل قصہ سے ایسا کامل نہین ہے، جیسا کہ لازمی ہے۔ اِسی طرح اکثر مقامات پر گلہاے مضامین کے انبار لگے ہوے ہین جن سے کہ اہل تماشہ کا دماغ معطّر ہے۔ لیکن ان پھولون مین کوئی ایسا رشتہ نہین جن سے ایک ہار گُندھ جائے۔ علاوہ برین میان آزاد کا چال چلن متضاد

صفات سے مملو ہے۔ شروع مین یہ شخص ایک آوارہ مزاج اوریارباش آدمی تھا۔ پنج عیب شرعی اُس مین مَوجود تھے۔ لیکن یکایک ایسی کایاپلٹ ہوئی کہ تہذیب و شائستگی رگ رگ مین سما گئی۔ ایسے وارستہ مزاج شخص کا بلا وجہ اس قدر مہذّب ہو جانا خلاف قانون قدرت ہے۔ حُسن آرا کا بھی یہی حال ہے۔ یعنی مسلمانون مین ابھی دو صدی تک ایسی آزادی پسند عورت نہین پیدا ہو سکتی۔ نیز یہ عقدہ نہین کھلتا کہ حُسن آرا کے خیالات کیونکر اس درجہ عالی ہو گئے۔ ظاہر ہے خیالات پر صحبت کا اثر پڑتا ہے یا تعلیم کا، حُسن آرا کی صحبت ہمیشہ پُرانے خیالات کی بیگمات سے رہی۔ اور تعلیم فارسی پائی۔ اِس صورت مین مغربی تہذیب کا رنگ اس خاتون کے خیالات پر کیونکر چڑھا۔ غرضکہ حُسن آرا کی چال ڈھال کا انداز جیسا کہ اِس فسانہ مین دکھایا گیا ہے خلاف فطرتِ انسانی ہے۔ لیکن اس سلسلہ مین یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ یہ باتین ایسی ضروری نہین ہین کہ جن سے فسانۂ آزاد ناول کے لقب کا مستحق نہ سمجھا جاوے۔ خوجی جو کہ فسانہ کی جان ہے۔ ہر مقام پر اپنے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے۔ جیسا کہ آزاد کو ہر وقت حُسن آرا کا خیال رہتا ہے، ویسا ہی اس کو افیون سے عشق ہے۔ روم ہو کہ ہندوستان، قرولی ہر وقت میان سے باہر ہے۔ کیتنی مرمّت کیون نہ ہو مگر اس کے تیور میلے نہین ہوتے کیسی ہی مصیبت کیون نہو لیکن زندہ دلی اس کا ساتھ نہین چھوڑتی۔ آزاد کتنا ہی ستائین مگر وہ ان پر جان نثار کرنے کو طیار رہا ہے۔ خوجی کی چال ڈھال شروع سے آخر تک ایک ہی سانچے مین ڈھلی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہمایون فر۔ سپہر آرا۔ بڑی بیگم۔ اللہ رکھی وغیرہ فطرتِ انسانی کی سچّی تصویرین ہین۔ اِس کے علاوہ فسانۂ آزاد مین ناول کے اور قرائن بھی موجود ہین۔ جذباتِ دلی، کیفیتِ قلبی، شادی و غم، عشق و شجاعت، جلوہ ہاے قدرت

صبح وشام، باغ، سیرِ دریہ وغیرہ جس کیفیت کو بیان کیا ہے تصویر کھینچ دی ہے۔

فسانۂ آزاد مین یہ بھی ایک خفیف سا عیب ہے کہ مصنّف سے اکثر مقامات پر تناسُبِ واقعات نہ نبھ سکا۔ مثلاً ایک روز کا ذکر یون لکھا ہے۔ کہ حُسن آرا نے میان آزاد کے علم وفضل کا امتحان کیا۔ اور فرمائش کی کہ ایک بوڑھے کی شادی ہوئی ہے اِس شادی کی تاریخ کہو۔ میان آزاد نے کہا "پیرِ نابالغ"۔ پیرِ نابالغ سے ۱۲۹۶ ہجری تاریخ نکلتی ہے۔ روم کی لڑائی ۱۲۹۶ ہجری کے دو تین برس پہلے ہوئی۔ مگر میان آزاد اس تاریخ نکالنے کے بعد روم کی لڑائی مین شریک ہونے کے لیے گئے۔ لہذا تاریخ غلط ہوگئی اور واقعات مین تناسب قائم رہ سکا۔ اِسی طرح ایک مقام پر حضرتِ سرشار خدا جانے کس ترنگ مین لکھ گئے کہ "بام پر بیش بہا شال کا خیمہ نصب ہوا"۔ اَب معترض سوال کرتا ہے کہ "میخ کہان ٹھونکی گئی، چھت تو اس کام کی ہوتی نہین"۔ اِس موقع پر ہم کو بھی لاجواب ہونا پڑتا ہے۔ ایک مقام پر مصر کا اٹاچی خوجی سے کہتا ہے۔ کہ "کرسی کے احمق ہو"۔ یہ خاص لکھنؤ کا محاورہ ہے، مصر کے اٹاچی کو اس کی کیا خبر۔ اس قسم کی لغزشین فسانۂ آزاد مین پائی جاتی ہین۔ گو کہ تعداد مین بہت کم ہین۔ مگر چونکہ یہ فسانہ نہایت عجلت اور لاپروائی کے ساتھ لکھا گیا تھا لہذا ایسی لغزشین قابل معافی ہین۔

اکثر محاورے بھی فسانۂ آزاد مین ایسے ملین گے جن کو لکھنؤ کے اہلِ زبان دارُالضرب شاہی کا سکّہ نہ کہین گے۔ اِس قسم کی حرف گیری زیادہ تر "اودھ پنچ" کے معترضین نے کی ہے۔ اِس موقع پر ہم کو افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ عموماً "اودھ پنچ" کے معترضین کی تحریرین انصاف پسندی کے جوہر سے خالی ہین۔ ایک ایک جملہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ دلی تعصب بان قلم

سے رنگ سخن بن کر پھوٹ نکلا ہے ۔ مثلاً ایک صاحب تحریر فرماتے ہین کہ "فسانہ کاہے کو دیوانی ہانڈی یا صدقے کا ست نجا ہے۔ مصنّف کا دماغ بالکل اس گندی گڑھیا سے مشابہ ہے جو کہ کوڑے کرکٹ اور لونڈون کے ڈھیلون کی بدولت چودھوین رات کو بھی کسی ستارے یا چاند کا عکس کسی جگہ نہ دیکھ سکے ۔" اودھ پنچ ۔ مطبوعہ ۲۴ ۔ اکتوبر ۱۸۸۲ء ۔ ایسی تحریر کو نہ کوئی منصفانہ تنقید کہے گا نہ ظرافت ۔ اسی طرح اکثر حضرات نے کاتب کی غلطیون کا خاکہ اُڑایا ہے ۔ مثلاً "چھوٹی موٹی" کے بدلے موٹی چھوٹی' یا "چوگوشیہ ٹوپی" کے بدلے چوگوشہ ٹوپی چھپ گیا ۔ تو یہ غلطیان بھی مصنّف "فسانۂ آزاد" کے سر منڈھی گئی ۔ (دیکھو اودھ پنچ مطبوعہ ۱۵ ۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء) اِس مین شک نہین کہ اودھ پنچ کے اکثر نامہ نگار خود اعلیٰ درجے کے لکھنے والے تھے ۔ اور بذلہ سنجی و لطیفہ گوئی مین ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ وُہ بھی اِس نئے طرز تحریر کو رواج دے رہے تھے جس کو رتن ناتھ نے فسانۂ آزاد مین عرش پر پہنچا دیا ۔ مگر فسانۂ آزاد سے اِن حضرات کو خاص تعصب ہو گیا تھا ۔ اُس تعصب کی وجہ بیان کرنا گویا پُرانے زخم کا ہرا کرنا ہے ۔ علاوہ دوسری وجہون کے ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ جس وقت سرشار اودھ اخبار کے اڈیٹر ہوے تو یہ اخبار اودھ پنچ کے ظریفون کا تختۂ مشق ہو رہا تھا ۔ اِس حالت مین فسانۂ آزاد سے مخالفت جائے تعجب نہین ۔ کیونکہ اودھ اخبار کی جان یہ فسانہ تھا ۔ بایں ہمہ جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے اکثر محاورے فسانہ مین ضرور قابل اعتراض ہین ۔ افسوس اِس قدر ہے کہ جس پیرایہ مین اودھ پنچ کے معترضین نے ان لغزشون کا خاکہ اُڑایا ہے وہ مذاق سلیم کے معیار سے گرا ہوا ہے ۔ اگر بے تعصبی اور ہمدردی کے ساتھ بھی اعتراض کئے جاتے تو اُن کی وقعت بھی بڑھ جاتی اور کوئی نقصان یا ضرر بھی واقع

نہ ہوتا - اب اعتراض ملاحظہ ہون - حضرتِ سرشار فسانۂ آزاد مین لکھتے ہین "طبیعت بے مزہ ہے ذرہی جانے کیا سبب" (فسانۂ آزاد ضمیمۂ اودھ اخبار صفحہ ۵ مطبوعہ ۳ - جولائی ۱۸۸۰ء) اعتراض ہے - "جانے کیا ہوا" لکھنؤ کی بول چال نہین - اور بے مزہ کھانا ہوتا ہے طبیعت کو بدمزہ کہتے ہین - اسی نمبر کے صفحہ ۲ پر "دائین طرف" لکھا ہے - اصل محاورہ ہے "داہنے طرف" ایک مقام پر تحریر ہے کہ "کئی بار پاٹی پر سر دے مارا" (فسانۂ آزاد ضمیمۂ اودھ اخبار صفحہ ۲۶ مطبوعہ اگست ۱۸۸۰ء) "پاٹی" لفظ غلط ہے "پٹی" درست ہے - "غمِ مفارقت مین دل پھٹا جاتا تھا کلیجہ مُنہ کو آتا تھا" (فسانۂ آزاد ضمیمۂ اودھ اخبار صفحہ ۱ مطبوعہ ستمبر ۱۸۸۰ء) اِس جگہ پر محاورہ بالکل غلط ہے "دل پھٹ جانا" قطع اُمید ہو جانے یا بیزار ہونے کی جگہ آتا ہے نہ کہ عاشق و معشوق سے دل پھٹ جائے - "وہ تو عین دوپہر کے وقت جب چیل انڈے پر انڈا چھوڑتی ہے الخ" (فسانۂ آزاد صفحہ ۱ مطبوعہ ستمبر ۱۸۸۰ء) یہ محاورہ بھی غلط ہے - اصل محاورہ صرف اتنا ہے کہ "ایسی گرمی پڑتی ہے کہ چیل انڈا چھوڑتی ہے" - مراد یہ کہ چیل کسی حالت مین اپنا انڈا نہین چھوڑتی، مگر ایسی گرمی پڑی کہ وہ بھی اپنے انڈون سے الگ ہو جاتی ہے یعنی سینا ترک کر دیتی ہے - اِس محاورے سے صرف گرمی کا مبالغہ مدّنظر رہتا ہے - حضرتِ سرشار شاید انڈا چھوڑنے سے انڈا دینا مراد سمجھے - اِس قسم کی لغزشین دیگر مقامات پر بھی پائی جاتی ہین - مگر ایسی لغزشون سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرتِ سرشار زباندان نہ تھے سراسر نا انصافی ہے - ایسی لغزشون کی ہستی اتنی بڑی کتاب مین ایسی ہے جیسے کہ کسی قلزم زخّار مین خس و خاشاک - اور کون ایسا مصنّف ہے کہ جس کی تصنیفات بالکل عیب سے پاک ہین - دیکھو آتش مغفور کا مصرع ہے - ع

"تماشا قتلگہ کا ہے مطالع میرے دیوان کا"

"مطالع" محض غلط ہے، اصل لفظ ہے مطالعہ۔ ایک غزل کا مصرع ہے۔ ع

"درد درمان سے المضاف ہوا"

اصل لفظ ہے "المضاعف"۔ آتش نے المضاف غلط نظم کیا ہے۔ ایک اور مصرعہ یاد آگیا۔

ع "کوئی نہین چھوڑتا حلوۂ بےدود کو"

حلوۂ بےدود بھی غلط ترکیب ہے۔ "حلوائے بےدود" درست ہے۔ ایک اور مصرعہ یاد آگیا۔ ع

دلِ بیتاب کو پہلو مین اک گرگِ بغل پایا"

اعتراض ہے کہ "گرگ بغل" غلط ہے۔ "بغلی گھونسا" محاورہ ہے۔ اب ان لغزشون کو دیکھ کر اگر کوئی شخص آتش کی زباندانی اور اُستادی پر حرف رکھے، تو یہ محض حماقت ہی نہین، بلکہ بےادبی ہے۔ فسانۂ آزاد مین اکثر بھرتی کے مضامین ہین۔ مثلاً تہیا سفی کے وعظ، یا اخلاقی پند و نصائح کے متعلق تقریرین خانہ پُری کے لئے درج ہین۔ خلاقِ عالم نے حضرت سرشار کو کسی سنجیدہ کام انجام دینے کے لئے پیدا ہی نہین کیا تھا۔ وہ صرف ہنسنے ہنسانے کے لئے دُنیا مین آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہان کہین پند و نصائح کا دفتر کھولا ہے فسانہ کا رنگ پھیکا ہوگیا ہے۔

مگر باوجود ان عیوب کے جن کا ذکر سلسلہ وار کیا گیا ہے فسانۂ آزاد بحیثیت مجموعی اپنے رنگ مین لاجواب ہے۔ اِس کے جوہر اِس کے عیبون کو چھپائے ہوئے ہین۔ میرے دوستو! تحقیقات جدید سے ثابت ہوا ہے کہ آفتاب مین بھی سیاہ داغ موجود ہین۔ لیکن جس طرح یہ داغ آفتاب کی ضیا نہین گھٹا سکتے۔ اسی طرح حضرتِ سرشار کی طبع نورانی باوجود اکثر خفیف عیوب کے

قدر دانانِ سخن کی آنکھون کو ہمیشہ نور بخشتی رہینگی۔ ہان جو لوگ تعصب سے شپرہ چشم ہوے ہین وہ چاہے کچھ سمجھین۔

جہان تک محض انشاپردازی کا تعلق ہے اس امر سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ حضرت سرشار نے طرزِ قدیم کو نسخ کیا۔ یہ صحیح ہے کہ رجب علی سرور کے فسانہ عجائب کی زبان نثر اردو کا اعلیٰ نمونہ ہے لیکن سرشار کا طرز زیادہ دلکش ہے۔ اِس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ فسانۂ آزاد کے شایع ہونے پر فسانہ عجائب کتب قدیم کے عجائب خانہ مین رکھنے کے قابل ہو گیا یعنی جس کا وجود اب صرف اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ زمانۂ قدیم مین نثر اردو کا کیا رنگ تھا۔ دیکھو دونون مصنفون کے طرزِ تحریر کے نمونے پیش نظر ہین۔ دونون کے آغاز داستان کا نمونہ دیکھو:۔

سرور۔ گرہ کشایان سلسلۂ سخن، تازہ کنندگانِ فسانۂ کہن، یعنی محرّرانِ رنگین و مورخانِ جادو تقریر نے اشہب جہندۂ قلم کو میدانِ وسیع بیان مین باکرشمۂ سحرساز و لطیفہاے حیرت پرواز گرم عنان اور جولان یون کیا ہے کہ سرزمین ختن مین ایک شہر تھا مینو سواد بہشت نژاد پسند خاطر محبوبانِ جہان، قابل بود و باش خوبان۔ الخ

سرشار۔ سحر کاذب کے وقت مرغ بے ہنگام نے گربۂ مسکین کی آہٹ جو پائی تو گھبرا کر گُڑ دن کون کی بانگ لگائی۔ ہمارے حبیب لبیب دقیقہ رس صبح نفس جو سرِ شام سے لمبی تانے میٹھی نیند سو رہے تھے، یہ آواز خوش آیند سُنتے ہی کلبلا کر اُٹھ بیٹھے۔ اِدھر آنکھ کھلی، اور باچھین کھل گئین۔

دونون کے اندازِ تحریر دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ سرور کی نثر تصنع کے بوجھ سے گرانبار ہے

سرشار کا طرز شوخی اور بے تکلفی سے معمور ہے - قدرتی جوش اور صفائی بیان مل کر عجب عالم دکھاتے ہین معلوم ہوتا ہے کہ نور کا فوارہ چھوٹ رہا ہے - برخلاف اس کے سرور کی نثر مین فرضی لطافت اور خیالی رنگینی کا دخل زیادہ ہے - سرور مضامین خیالیہ کی ہوا مین اڑتے ہین سرشار نے مضامین حالیہ کی تصویر کھینچی ہے - اور ایسا ہونا جائے تعجب نہین - رجب علی سرور کے زمانے مین فارسی کا رواج بہت تھا - یہان تک کہ خط و کتابت فارسی مین ہوتی تھی - لہٰذا اگر اس کے طرز تحریر مین فارسی کا رنگ چوکھا ہے تو حیرت نہین - بہرحال جو کچھ اس نے کیا وہ اس کے لئے باعث فخر ہے وہ بھی زبان پر قدرتِ کاملہ رکھتا تھا اور اپنے رنگ کا آپ موجد تھا - مگر حضرتِ سرشار کے سامنے بھی جو مرحلہ درپیش تھا اس کا طے کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا - یہ یاد رہے کہ وہی شخص ایجاد کا بانی ہو سکتا ہے جو کہ دلون کی نبض پہچانے - ایسی اصلاحین تجویز کرے جن کے اختیار کرنے کیلئے زمانہ طیار ہو - حضرتِ سرشار مین وہ دماغی جوہر موجود تھے - جن سے ایسی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے - اس انشا پردازی کی خدا نے ایک نئی دنیا پیدا کر دی، وہ روش نکالی جو مطبوع خلائق ہوئی - اس وقت جتنے ناول اردو زبان مین موجود ہین - سب فسانہ آزاد کے بعد لکھے گئے ہین اور سب مین حضرتِ سرشار کی طبع نورانی کا عکس نظر آتا ہے۔

یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتوآن ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

وہ ایک آفتاب عالمتاب ہے یہ ذرات خاکی اس سے کسب نور کرتے ہین - حضرتِ سرشار کی پوری وقعت کا اندازہ حضرت حالی کی حالت پر غور کرنے سے ہو سکتا ہے - انہون نے اردو شاعری کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہا تھا جو کہ سرشار نے اردو نثر کے ساتھ کیا - مگر چونکہ دل و دماغ

اِس کارِ عظیم کے انجام دینے کے لئے موزون نہ تھا۔ لہٰذا ناکامیاب رہے حضرت حالی نے اُردو شاعری کے آئینے پر انگریزی خیالات کی تصویر اُتارنی چاہی۔ مگر چونکہ باریک فہمی کا قلم ہاتھ سے چھوٹ گیا لہٰذا تصویر کا ہزار جگہ سے چہرہ بگاڑ دیا۔ برخلاف اِس کے حضرت سرشار نے اُردو کی عروسِ زیبا شمائل کو انگریزی زیور پہنایا، مگر کسی مقام پر بےعنوانی کا سایہ نہ پڑنے دیا۔ گلہائے مضامین کے قدردان جانتے ہین کہ نثر اُردو کے باغ نے اس چمن بند کی رنگ آمیزیون سے جو رونق پکڑی اس کی ثنا و صفت حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ایک جانب تو پُرانے پتّے اور شاخین کاٹ چھانٹ کر چمن کو از سرِ نو آراستہ کیا، نئی روشین نکالین۔ دوسری طرف نثر انگریزی کے گلبن سے چند ایسی قلمین لایا جو کہ ہندوستان کی آب و ہوا مین نشو و نما پا سکتی ہین۔ اور اُن کے پیوند اپنے چمن کے پَودھون مین لگائے جن سے ایسے خوشنما پھول پیدا ہوے کہ لوگ رجب علی کے لگائے ہوے باغ کو بھول گئے۔ حضرتِ حالی نے بھی زمینِ شعر مین جو پُرانا چمن لگا تھا اُس کی درستی کرنی چاہی، مگر بجاے اِس کے کہ برگِ خزان رسیدہ یا مُرجھائے ہوے پھول باغ کی روشون سے ہٹائین، سارا چمن اُجاڑ ڈالا۔ اور بلا لحاظ موافقتِ آب و ہوا چند ٹہنیان نظم انگریزی کے باغ سے کاٹ کر اِس سرزمین مین لگا دین۔ اِن ٹہنیون نے جڑ نہ پکڑی اور چند روز مین مُرجھا کر رہ گئین۔ اِس انوکھے باغبان نے اپنی محنت کو بھی ڈبویا، اور پُرانے باغ کی رونق کو بھی کھویا۔ مُراد اِس کہنے سے یہ ہے کہ پُرانی روش کا ترک کرنا اور نئی وضع کا فروغ دینا بڑی طبّاعی اور عالی دماغی کا کام ہے آج کل اکثر اصحاب نئے خیالات کی تلقین کے معنی یہ سمجھتے ہین کہ انگریزی جملون کی ترکیبین اُردو نثر مین الفاظ کو توڑ مروڑ کر کسی صورت سے داخل کی جائین اور ہربرٹ اسپنسر اور آگسٹ کانٹ کے فلسفیانہ تحقیقات کے

نتائج موقع بے موقع لولی لنگڑی عبارت مین لکھ دیے جائین - چاہے پڑھنے والا سمجھے یا نہ سمجھے -
یہ حضرت سرشار ہی کو فخر حاصل ہے کہ پُرانے شیشون مین اچھوتی ترکیبون اور نئے خیالات کی
بادۂ فرحت انگیز اس خوبصورتی سے بھری کہ پُرانے اور نئے رنگ کی طبیعتون کو یکسان کیفیت حاصل ہوئی

حضرتِ سرشار صرف فسانہ نگاری کے موجد ہی نہین بلکہ اُردو کے سب فسانہ نگارون
مین ان کا پایہ عالی تر ہے - آج کس کا مُنہ ہے کہ دو صفحے اِن کے رنگ مین لکھ سکے ہندوستان
مین آج جس قدر ناول نویس موجود ہین شاید بارش کے موسم مین اِس قدر حشرات الارض بھی نہ
پائے جاتے ہونگے لیکن سرشار مین اور اُن مین زمین و آسمان کا فرق ہے -

چراغِ مُردہ کجا شمعِ آفتاب کجا

جو باتین یہ لوگ نہایت غور و فکر کے بعد پیدا کرتے ہین - وہ اُس کے لئے پیش پا افتادہ تھین -
اگر اُن کے صفحون کے صفحون مین کہین ایک آدھ فقرہ شوخ ہے تو وہ راکھ کے ڈھیر مین چنگاری
سے زیادہ وقعت نہین رکھتا - اس کو دیکھو کہ ہزارون صفحے لکھ ڈالے مگر پھر بھی کلام کی گرمی مین
فرق نہین آیا - یہ بھی سب جانتے ہین کہ کبھی اِس شخص نے اپنے لکھے ہوے مسودے کی نظر ثانی نہین
کی - جس زمانے مین "فسانہ آزاد" اودھ اخبار مین شایع ہو رہا تھا - یہ لوگون کے چشم دید واقعے ہین -
کہ اخبار شایع ہونے کو ہے اور کاتب پنڈت جی کو ڈھونڈھ رہا ہے کہ فسانہ کا مقررہ حصہ لکھ
دین، تاکہ اُس روز نکل جائے - پنڈت جی آئے اور نہایت بے تکلفی سے چار صفحے کھینچ کر
پھینک دیئے اور کہا کہ آج کے پرچے مین بھیج دو - دیکھنے والے سمجھے کہ عجلت مین کیا لکھا ہوگا
مگر نگاہ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ موتی پروئے ہین -

گو کہ ہم کو حضرتِ سرشار کے ساتھ مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کا نام لیتے ہوئے تامل ہوتا ہے، مگر چونکہ اہل اسلام کے ایک خاص فرقے مین آپ کی شہرت بہت ہے۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونون کے طرز تحریر کا مقابلہ کیا جائے۔ انشا پردازی کے میدان مین سرشار، شرر سے کوسون آگے ہین۔ شرر کی عبارت سلیس و پاکیزہ ضرور ہوتی ہے مگر جدت سے خالی۔ وہ بات کہان کہ ہر حرف اپنے دامن مین رنگین ادائی کے پھول لئے ہوئے ہے۔ ان کی نثر ہر مقام پر زبان بے نمک و شیر بے شکر ہے۔ ذیل کے اقتباس تمثیلاً درج ہین۔

شرر۔ موجودہ زمانے اور مغربی تہذیب نے پنکچوئلٹی (پابندی وقت) کا سبق ایک حد تک سب ہی کو دیدیا۔ مگر اس سے فائدہ نہ اُٹھایا تو ہمارے مشرقی دلربائون و ایشیائی معشوقون نے۔ وہ آج بھی ویسے ہی وعدہ فراموش ہین جیسے سو دو سو برس پہلے تھے ... عنفوان شباب کی خود پرستی انہین اس بات کی اجازت ہی نہین دیتی کہ اسیر زلف گرہ گیر کے نالۂ شبگیر پر چھوٹون بھی ترس کھائین ...... مگر عاقبت اندیش عاشق ایک فلک دوز آہ کے ساتھ کہتا ہے۔ "کیا مضائقہ؟ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز" اور پہلے سے زیادہ ذوق و شوق کے ساتھ پہلے سے زیادہ عشق بازی پر آمادہ ہوتا ہے۔ (دلگداز نمبر ا جلد، مطبوعہ جنوری سنہ ۱۹ء)

سرشار۔ مجنون سے کسی ساربان نے کہا۔ کہ میان تم دشت نوردی کیون کرتے ہو، لیلےٰ تمھارے ہتھے چڑھے۔

این خیالست و محالست و جنون

مجنون نے ہنس کر کہا، تو اس پھیر مین نہ پڑ، تجھے معشوقون کے عشوے اور غمزے سے کیا سروکار۔ تو شتر غمزے کا عادی۔ جا اپنے اونٹ چرا۔ ؎

در دلم عشق زلیلے کافیست
خواہش وصل زنا انصافیست

(دبدبۂ آصفی)

مضامین کے راستے مین شرر کا راستہ بالکل الگ ہے۔ شرر تاریخی ناول لکھتے ہین۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جب اُنھون نے اس کوچے مین قدم رکھا تو اپنی قوت تحریر اور طباعی کا کافی طور پر اندازہ نہ کرلیا۔ اوّلاً تاریخی فسانہ وہی شخص لکھ سکتا ہے جو کہ تاریخ سے واقفیت رکھتا ہو۔ ثانیاً یہ کہ شاعر کا دماغ اپنے ساتھ لایا ہو یعنی جس زمانے کا ناول لکھے اُس زمانے کے طرز معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر آنکھون کے سامنے کھینچدے۔ انگریزی زبان مین جن فسانہ نگارون نے اس قسم کے فسانے لکھے اُن کی رگ رگ تاریخ ماضیہ کے عشق سے معمور تھی۔ وہ تاریخ کے لئے پیدا ہوے تھے، اور تاریخ اُن کے لئے۔ حضرت شرر ایسے واقعات قدیم کے نسبت ناول لکھتے ہین جن کا تعلق تاریخ یورپ سے ہے لیکن یورپ کی کسی زبان مین دستگاہ عالی نہین رکھتے۔ صرف ترجمون سے اپنا مطلب نکالتے ہین۔ اس حالت مین ان کا تاریخی علم مکمل نہین ہو سکتا۔ نہ وہ قدیم زمانے کی سوسائٹی کے رمز و کنایہ کافی طور سے سمجھ سکتے ہین۔ علاوہ برین قلم مین بھی وہ جادو نہین جو زمانۂ دیرینہ کے مردہ قالبون مین جان ڈال دے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فسانے روکھے پھیکے ہین۔ ان مین صرف تاریخی واقعات درج ہین۔ مگر جس زمانہ کا وہ اشارہ کرتے ہین اُس زمانے کے طرز معاشرت کا رنگ نہین کھلتا۔ شرر کے ناولون کے سپاہی انگریزی فوج کے

سپاہی ہین، جن پر صرف عرب کا لبادہ لاد دیا گیا ہے۔ شرر کے مقابلے مین سرشار کی فسانہ نگاری کا دائرہ ضرور محدود ہے۔ وہ صرف لکھنؤ کی سوسائٹی کا مرقع نگار ہے لیکن وہ اِس سوسائٹی کے رگ و ریشے سے واقف ہے۔ اِس کا ہر نیک و بد پہلو اس کی نظرون مین جنچا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس حالت کو بیان کرتا ہے اُس کا سمان بندھ جاتا ہے، وہی کیفیت آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے، وہی آوازین کانون مین آنے لگتی ہین۔ اس کے فسانون کی مخلوق جیتی جاگتی تصویرین ہین۔ ہم اُس کے فسانہ پڑھتے ہوے اس کو بھول جاتے ہین۔ اور جو کیفیت وہ بیان کرتا ہے اِس مین ہمہ تن محو ہو جاتے ہین اور واقعی فسانہ نگار کے کمال کا معیار بھی یہی ہے۔ برخلاف اِس کے شرر کے فسانون کی مخلوق یہ دلچسپی نہین پیدا کرتی۔ اگر وہ بولتے ہین تو مصنّف کی آواز سے، اور دیکھتے ہین تو اس کی آنکھ سے۔ مکالمہ مین یہ تمیز نہین ہوتی کہ آدمی بول رہا ہے کہ فونوگراف سے آواز نکل رہی ہے۔ دیکھو خوجی اور مہاراج بلی کا ذکر لوگون مین اس طرح ہوتا ہے، جیسے اصل آدمیون کا۔ مگر شرر کی طبع فکر نے ایک مخلوق بھی ایسا نہ پیدا کیا۔ غرضکہ فسانہ نگار وہی کیفیت پیدا کر سکتا ہے جس سے اُس کو کما حقہٗ آگاہی حاصل ہو۔ سرشار جب خود اس اصول سے ہٹے ہین تو دھوکا کھایا ہے۔ مثلاً کامنی مین اُنھون نے ہندوون کے طرز معاشرت کا رنگ دکھانا چاہا ہے۔ مگر چونکہ وہ خود اس رنگ سے ناآشنا تھے، لہذا جس جگہ اُنھون نے ہندو عورتون کی چال ڈھال اور گفتگو کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے، اُن کا قلم چلتے چلتے رُک گیا ہے۔ مجبور ہو کر اس مرقع مین بھی اسلامی تہذیب کا رنگ بھرنا پڑا ہے۔ ہندو طرز معاشرت کی تشریح مین در پردہ اسلامی سوسائٹی کی

جھلک نظر آتی ہے۔ یا یون کہو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خاتونون کو ہندوانہ لباس پہنا کر تصویر کھینچی ہے۔ یہ نقص جو سرشار کے ایک ناول مین ہے، شرر کے کل ناولون مین زیادتی کے ساتھ موجود ہے۔ آخر مین یہ کہنا نامناسب نہین کہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو شرر اور سرشار کا کوئی مقابلہ نہین۔ گو کہ شرر کی شہرت سرشار سے کسی حالت مین کم نہین لیکن یہ امر اِس حکیمانہ اصول کی تائید کرتا ہے کہ محض شہرت کو اصلی لیاقت کا معیار نہ سمجھنا چاہیئے۔

ہان اگر کوئی زمانۂ موجودہ کا مصنف حضرتِ سرشار کا ہم پایہ ہے تو وہ محمد حسین آزاد ہے۔ اِس کو بھی اُردو زبان پر قدرتِ کاملہ حاصل ہے۔ اُس کی مشہور و معروف کتاب "آبِ حیات" اُس کا نام قیامت تک زندہ رکھیگی۔ سرشار کی طرح وہ بھی ایک طرزِ نو کا مُوجد ہے۔ دونون مصنّفون نے اپنے اپنے رنگ مین معجزہ دکھایا ہے۔ دونون کا دماغ فیضانِ قدرت سے شاداب ہے لیکن اندازِ تحریر جُداگانہ ہے۔ سرشار کا طرزِ تحریر شوخ مضامین کے لئے مُوزون ہے۔ آزاد کی نثر سنجیدہ مسائل کی بحث کا بار آسانی سے اُٹھا سکتی ہے۔ سرشار کا رنگ ظریفانہ ہے اور ایک ایک لفظ پر شوخی اور رنگینی قربان ہے۔ آزاد کی عبارت سلیس و فلسفیانہ ہے اور محاورہ متانت سے دست و گریبان ہے۔ سرشار بے تکلف قہقہے پر قہقہہ لگاتا ہے۔ آزاد بھی ہنستا ہے مگر اُس کی ہنسی مُسکراہٹ کی حد سے نہین بڑھنے پاتی۔ آزاد ہر مضمون کو فلسفی کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور غور و فکر کے سانچے مین ڈھالتا ہے۔ سرشار ہر عالم کی سیر مصوّر کی آنکھ سے کرتا ہے اور جو کیفیت دیکھتا ہے اُس کو ظرافت کے پیرایہ مین بیان کرتا ہے۔ دونون کا اندازِ تحریر دیکھو۔

آزاد - کیا یہ تھوڑے افسوس کا موقع ہے کہ ہمارے بزرگ خوبیان بہم پہونچائین،

انہین بقاے دوام کے سامان ہاتھ آئین اور اس پر نام کی زندگی سے بھی محروم رہین۔ بزرگ بھی وہ بزرگ جن کی کوششون سے ہمارے ملکی اور کتابی زبان کا لفظ لفظ اور حرف حرف گرانبار احسان ہو۔ ان کے کامون کا اس گمنامی کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹنا بڑے حیف کی بات ہے۔ جس مرنے پر ان کے اہل وعیال روئے وہ مرنا نہ تھا۔ مرنا حقیقت مین ان باتون کا مرنا ہے جس سے ان کے کمال مرجائینگے اور یہ حقیقت مین سخت غمناک حادثہ ہے۔ ایسے بزرگان باکمال کے روئیے اور رفتارون کا دیکھنا انہین ہماری آنکھون کے سامنے زندہ کردکھاتا ہے اور ہمین بھی دُنیا کے پیچیدہ راستون مین چلنا سکھاتا ہے۔“ (آب حیات)

سرشار۔ الٰہی یہ کیسی ہوا چلی کہ پیارے ہندوستان کے علم وفضل کا پھلا پھولا چمن اُداس ہو گیا، اولوالعزمی کی ہری بھری شاخین ایک ہی جھونکے مین پھٹ پڑین عظمت کے تناور اور بارآور درخت اراراکر زمین پر آرہے، خزان کے لشکر نے ایسا نرغہ کیا کہ بہار علم کا عمل کھڑے کھڑے اُٹھ گیا۔ اب اہل ہند مین وہ جوش نہ وہ خروش ہے جسے دیکھو بادۂ غفلت کے نشے مین مدہوش ہے۔ خوابِ خرگوش مین پڑے خراٹے لے رہے ہین، خیر خوب نیند بھر کر سُو چکے۔ اب بھی جاگین تو ہم سمجھین کہ بخت خفتہ بیدار ہو گیا۔

شب نیمہ گذشت وصبح سرزد اے مردِ خدا بہ خواب تا کے

(شمس الضحیٰ)

حضرتِ سرشار نے علاوہ فسانہ آزاد کے بہت سے ناول لکھے اور اکثر انگریزی ناولون کے ترجمے بھی کئے۔ اِن تصنیفات مین ”سیر کہسار“ ”جام سرشار“ ”کامنی“ اور ”خدائی فوجدار“

زیادہ تر مشہور ہین۔ "سیر کہسار" مین ادنی درجے کی مسلمان سوسائٹی کا نقشہ کھینچا ہے عبارت شوخ اور رنگین ہے۔ مگر فسانۂ آزاد کے مقابلے مین سست ہے۔ "کامنی" کی کیفیت پیشتر تحریر ہو چکی ہے۔ "جام سرشار" بھی فسانہ آزاد کی کیفیت سے خالی ہے۔ "خدائی فوجدار" "ڈان کوئک زاٹ" کا ترجمہ ہے۔ اس کا رنگ ان کی تصنیفات مین بہت پھیکا ہے۔ لکھنؤ سے حیدرآباد جانے کے قبل چھوٹے چھوٹے ناولون کا ایک سلسلہ "خمکدۂ سرشار" کے نام سے جاری کیا گیا تھا۔ ہُشّو، کڑم دُھم، بچھڑی ہوئی دُلہن، طوفان بے تمیزی، وغیرہ اسی سلسلہ مین تصنیف ہوے مگر ان ناولون کو دیکھکر انیس مرحوم کا شعر یاد آتا ہے۔

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس　　　عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

واقعی یہ ناول اس امر کی شہادت دیتے ہین کہ ایک زبردست مصنف کا کمال اس قدر زوال پذیر ہو سکتا ہے۔ بہتر ہوتا کہ حضرت سرشار اس خمکدہ کی طرف رجوع ہی نہ ہوتے، مگر وہ تو اپنے قابو ہی مین نہ تھے اس خمکدہ کا سلسلہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ حیدرآباد جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سفر کا حال حضرت سرشار نے خود "کشمیر پرکاش" بابت ماہ مارچ ۱۸۹۹ء مین یون تحریر فرمایا ہے۔

"چار برس کا زمانہ ہوا کہ مین کانگرس کا ممبر ہو کر مدراس گیا تھا۔ وہان سے بخت رسا حیدرآباد دکن لائے۔ یہان کے ہندو اور مسلمان امرا اور پبلک نے میری بڑی خاطر کی۔۔۔۔۔۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر وزیر فوج آصفی نے جو وزیر اور مدار المہام بھی رہ چکے ہین مجھے بُلایا اور دو سو کا نوکر رکھ لیا۔ اور شعر و سخن اور نثر کی اصلاح لینے لگے۔ اور کسی کام پر خوش ہوے تو

فوراً ایک اشرفی انعام خلعت اور جوڑے سال مین تین چار بار عطا ہوتے ہین ...... حضور نظام مجھے پہلے سے جانتے تھے۔ جس روز اول بار مین نے نذر پیش کی اور کتابین بھی بطریق نذر پیش کین تو حضور نے یہ شرف بخشا کہ ایک گھنٹہ کامل تک ناول "سیر کہسار" کی عین دربار دُربار مین سیر کی۔ "جامِ سرشار" کا ایک سین ملاحظہ کر کے اپنے سینیر اڈیکانگ نواب محبوب جنگ یار بہادر سے فرمایا کہ یہ دلچسپ ناول مین پڑھ چکا ہون۔ میری لائبریری مین موجود ہے۔ مین نے ولادت شہزادۂ والاتبار کی تاریخ اسی وقت بذریعۂ نواب سردار جنگ پیش کی۔ مادہ تاریخ حضور پُرنور نے بہت پسند فرمایا۔ میرا نام معزز درباریون مین لکھ لیا گیا۔ اب میرے منصب کی کوشش ہو رہی ہے۔ نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطناً انشاء اللہ تعالیٰ ...... خدا نے چاہا تو پندرہ دن کے اندر میرا نو تصنیف ناول "گورِ غریبان" شایع ہوگا"۔

حیدرآباد سے حضرتِ سرشار نے ایک رسالہ موسوم بہ "دبدبۂ آصفی" نکالا تھا۔ ابتدا مین اس مین اچھے اچھے مضامین شایع ہوتے رہے۔ خود بھی اکثر لکھتے تھے۔ مگر طرزِ تحریر مین اگلی سی آب و تاب نہین رہی تھی۔ "گورِ غریبان" ناول خدا جانے شائع ہوا کہ نہین۔ دبدبۂ آصفی مین ایک ناول موسومہ بہ "چنچل نار" سلسلہ وار شائع ہوتا تھا وہ بھی ناتمام رہا۔ اور اچھا ہوا کہ ناتمام رہا۔

حضرتِ سرشار شاعری مین مظفر علی صاحب اسیر کے شاگرد تھے۔ اپنے اُستاد کو نہایت محبت کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ منشی اسیر خالی اُستاد ہی نہین تھے، بلکہ اُستاد گر تھے، شاگردون کو اُستاد بنا گئے۔ حضرت سرشار کا کلام عاشقانہ اور رندانہ طرز کا ہوتا تھا۔ مگر طبیعت کی شوخی اور زبان کی پاکیزگی عجب عالم دکھاتی تھی۔ اکثر مضمون آفرینی کی طرف

بھی جھک پڑتے تھے۔ لکھنؤ مین ایک مرتبہ مشاعرے مین ایسا شعر پڑھا کہ مشاعرہ اُلٹ گیا۔

حال سب میری سخت جانی کا
باڑھ کہتی ہے مُڑ کے خنجر سے

واقعی کیا نازک خیالی اور باریک بینی کی داد دی ہے۔ ایک اور شعر ان کا انہین کے حسب حال یاد آگیا۔ ؎

پینے پہ جب آتے ہین تو پھر بس نہین کرتے
میخانے مین سنتے نہین سرشار کسی کی

ایک غزل کا مطلع ہے۔ ؎

سیاہ بخت و تبہ روزگار ہم بھی ہین
جواب زلف پریشانِ یار ہم بھی ہین

جب پنڈت بشن نراین صاحب در کے ولایت سے واپس آنے پر قوم مین طوفان بے تمیزی برپا ہوا۔ تو اُس کے فرو کرنے کے لئے ایک مثنوی "تحفہ سرشار" کے نام سے لکھی، دیکھو تمہید کس مزے کی ہے۔ ؎

لندن کی پلادو آتشہ ہے
آپیر مغان کدھر چھپا ہے

ہُن برسیگا میکدہ پرلے یار
رندون کو جو تو کریگا سرشار

داتا پلوا شراب اچھوتی
خوشبو خوش رنگ تیز جو کھی

کوثر کی کھینچی نہین ہے منظور
لیڈی و ائن جسے پیے حور

سرجوش شراب ناب لادے
بوتل مُنہ سے مرے لگادے

بدمست ہون پی کے ایک چُلو
زاہد کو بنا ئین خوب اُلّو

گھنگھور گھٹا ہے آج بادل
میخانے کو کر دے تو بھی جل تھل

برسا دے شراب ناب ساقی　　دکھلا دے آفتاب ساقی

فتوی کاشی کا کون مانے　　لاکھون مین یون کھلے خزانے

رم جھم یہ برس رہا ہے پانی　　بے مے ہے حرام زندگانی

ایک مقام پر صبح کا عالم یون دکھایا ہے۔ ؎

جھلکا جھلکا سپیدۂ صبح　　ہلکا ہلکا سپیدۂ صبح

تارے چھپتے ہین جھلملا کر　　ہے نور سا جلوہ گر فلک پر

بھینی بھینی مہک گلون کی　　اور نغمہ زنی وہ بلبلون کی

اے ساقی مہ لقا بدہ مے　　اے مرد خدا بخواب تا کے

وقت سحر اور خنک ہوا ہے　　بے مے سب کر کرا مزا ہے

اِک چُلو کے دینے مین یہ تکرار　　اُٹھو، جاگو، سحر ہوئی یار

دریا کی طرف چلے نہانے　　غٹ پریون کے زنان خانے

مرغان چمن بہ نکتہ رانی　　چون برہمنان بہ بید خوانی

نوبت رنگت جما رہی ہے　　شہنا ے مزہ دکھا رہی ہے

ہان اتنا ضرور خیال رہے کہ اس مثنوی مین متعدد مقامات پر "گلزار نسیم" سے رنگ و بو لیکر اپنے مضامین کو تازہ کیا ہے۔ ۱۸۹۴ء مین جو کشمیری سوشل کانفرنس ہوئی تھی اس مین ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کا یہ مطلع ہے۔ ؎

پھلینگے پھولینگے گلزار قوم کے اشجار　　اُٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار

فارسی بھی کہتے تھے - مگر بہت کم -

عجیب بذلہ سنج، حاضر جواب، ظریف اور خندہ جبین شخص تھا - بات بات مین نکتہ اور ہر نکتے مین ہزارون رنگینیان پیدا کرتا تھا - ہمیشہ ہنستا بولتا رہتا تھا - چہرے پر مسکراہٹ نور برساتی تھی - جس صحبت مین بیٹھ گیا معلوم ہوتا تھا کہ بلبل ہزار داستان چہک رہا ہے - زندگی بھر کبھی غم و غصہ اور رنج پاس نہ آنے پائے - تمام عمر بیباکانہ اور آزادانہ حالت مین کاٹ دی طبیعت کبھی غور و فکر کی طرف مائل ہی نہین ہوئی، وہ اپنی طبیعت کو خوب پہچانتا تھا - چنانچہ کشمیری سوشل کانفرنس مین جو قصیدہ پڑھا اس مین تعلّی کے اشعار کے زمرہ مین ایک شعر یہ بھی تھا - ؎

طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنچل نار　　زبان وہ پائی کہ بے نطق سیکڑون بولے

واقعی سرشار کی طبیعت ایک چنچل نار ہے، جس کی ہر ادا مین شوخی اور ہر انداز مین بانکپن ہے - جب یہ شوخی اور بانکپن درجۂ اعتدال سے بڑھ جاتے ہین تو دیکھنے والے شرما جاتے ہین مگر وہ خود نہین شرماتی - اس آزادی اور بیباکی کی وجہ سے کبھی شہرت یا جاہ و ثروت کی آرزو دل مین نہ آنے پائی - گو کہ زمانے سے کمال کی سند مل گئی تھی، مگر بے نیاز طبیعت نے کسی امیر یا رئیس کے در کی طرف رُخ نہ کرنے دیا - ؎

قناعت سے غنی اللہ کردیتا ہے مسکین کو　　تمنا دولتِ دُنیا کی اے آتش نہین رہتی

آخر عمر مین حیدر آباد مین ایک رئیس کے دربار مین رسائی ہو گئی تھی - مگر وہ بھی اپنی کوشش سے نہین -

عجب ذہن خداداد پایا تھا، فارسی اور عربی مین فاضلانہ لیاقت نہ تھی - مگر طبیعت داری کا

یہ عالم تھا۔ کہ علما، اور فضلا، کی صحبت مین اپنا رنگ جما لیتا تھا۔ حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ ہزارون شعر فارسی اور اُردو کے ازبر تھے۔ یہی اشعار مختلف موقعون پر اپنے مضامین مین عجب انداز سے چسپان کیے ہین بس معلوم ہوتا ہے کہ فلان شعر فلان موقع ہی کے لئے کہا گیا ہے۔

مگر کیا افسوس کی بات ہے کہ اس باکمال نے اپنی قدر آپ نہ کی۔ بے اعتدالیون نے بے طرح دل مین جگہ کرلی تھی۔ سرشار اسم بامسمّٰی تھا یہی وجہ ہے کہ اس زبردست مصنّف کا کمال روز بروز زوال پذیر ہوتا گیا۔ اور زندگی فارغ البالی کے ساتھ نہ بسر ہوسکی۔ سُنتے ہین کہ آخر زمانہ مین حیدرآباد مین بھی مہاراجہ کشن پرشاد نے انھین بے اعتدالیون سے ناراض ہو کر اپنا دست شفقت کھینچ لیا تھا۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی صاحب کمال بڈھا ہوتا ہے تو اُس کا کمال جوان ہوتا جاتا ہے۔ لیکن سرشار کی عمر کے ساتھ اس کے کمال مین بھی ضعف آتا گیا۔ اس عالی فہم مصنّف کو خود اس امر کا حس تھا۔ چنانچہ کشمیری کانفرنس والے قصیدے مین اپنے تئین یون خطاب کیا ہے۔ ؎

ہوا اس کمال پہ لیکن ہزار بار افسوس — کہ تونے قدر نہ کچھ جانی اپنی خودزنہار
کمال کے لئے لازم جو ہو زوال ضرور — اب ایک قطرہ ہے پہلے تھا قلزم ذخار
نہ آب و تاب وہ اگلی سی ہے نہ رنگ نہ روپ — نہ ہین وہ شاہد مضمون کے پھول سے رخسار
نہ حافظہ ہی رہا وہ نہ قوت ادراک — رہے کہان ہے ہر اک شی کی حد ہو آخرکار
اسی زمانے مین تو بھی امیر ہو جاتا — قبول زر مین نہ ہوتا اگر تجھے انکار

یہ زوال لازمی تھا۔ نثاری ہو یا شاعری، یہ سب دماغ کا کھیل ہے۔ آب آتشین نے جب

دماغ ہی مین آگ لگا دی تو گلہاے مضامین بھی آتشبازی کے پھول ہو کر رہ گئے طبیعت بجھ گئی - کلام مین گرمی نہ باقی رہی - یہ ممکن نہین کہ ایسا ذہین اور ذکی شخص اس بلاے بے درمان کے اثر سے واقف نہ ہو - چنانچہ اپنے مختلف فسانون مین اس کی ہجو و مذمت مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اپنے اوپر بس نہین چلا - اُستاد سچ کہہ گیا ہے

چھٹتی نہین ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اس لکھنے سے ہماری مراد نکتہ چینی نہین اگر کسی قسم کی گستاخی کا شبہہ بھی ہو تو ہم مرحوم کی روح سے نہایت ادب کے ساتھ معافی مانگتے ہین - ہان بیشک یہ باتین ہمارے دلون کو عبرت کا سبق دیتی ہین - ہاے اس باکمال کا دماغ اگر اپنی اصلی حالت پر رہتا تو خدا جانے وہ کن کن بلند پروازیون کی ہوا مین اُڑتا اور کیسے کیسے تارے انشا پردازی کے عرش سے توڑ کر لاتا - بہر حال جن لوگون کو ابھی کچھ دن اور اس خرابہ مین عمر کاٹنی ہے اُن کو اس دردناک مثال سے سبق لینا چاہیے - کہتے ہین آخر عمر مین تپ درون نے بالکل گھلا دیا تھا - کھانا پینا چھوٹ گیا تھا - جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا - آخر کار ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۰۳ع کو اس دار فانی سے رحلت کی - تقریباً پچپن یا چھپن برس کی عمر پائی - ع

سرشار فصیح و نکتہ پرور نہ رہا | سرمایۂ ناز اہل جوہر نہ رہا
اعجاز قلم کے جس کے سب قائل تھے | وہ نثر کا اُردو کی پیمبر نہ رہا

داغ

(ماخوذ از "زمانہ" جولائی سنہ ۱۹۰۵ء)

آج راہی جہان سے داغ ہوا　　خانۂ عشق بے چراغ ہوا

کیا افسوس کا مقام ہے کہ اُردو شاعری کے آخری دَور کا آخری شاعر قدردانان سخن کو ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گیا۔ مُدّت ہوئی کہ نظم اُردو کے شباب کی تارون بھری رات خاتمے پر آچکی تھی۔ یہ پچھلے پہر کا ایک تارا باقی رہ گیا تھا۔ جس کی روشنی دمبدم گھٹتی جاتی تھی۔ آخر کار یہ تارا بھی ہماری نظرون سے پنہان ہوگیا۔ اور اسی کے ساتھ قدیم مذاق سخن کا چراغِ سحری بھی گُل ہوگیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دکن ہی کی خاک پر چمنستانِ نظم اُردو کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ اور اِس چمن کا آخری پھول دکن ہی کی خاک کا پیوند ہوا۔ یہ آخری پھول دہلی مرحوم کا رنگین مزاج اور شوخ طبع شاعر داغ تھا جس کی روح آج فردوس مین کسی حور کے گیسوین بُو کی طرح سمائی ہوگی

خدا بخشے بہت سی خوبیان تھین مرنے والے مین

اگر دُنیا کے مصنوعی اعزاز و وقار کی نگاہ سے دیکھو۔ تو جہان اُستاد مقرب سلطان ناظم

یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک بلبل ہندوستان نواب مرزا خان داغ دہلوی کا ایسا خوش قسمت شاعر ہندوستان مین کم پیدا ہوا ہوگا - ذوق مرحوم شاہنشاہ دہلی کے اُستاد تھے مگر تیس روپیہ ماہوار کا وظیفہ اُن کے لئے معراج ترقی ہوکر رہ گیا - غالب کی رگ رگ مین آبائی ریاست کا ناز خون کے ساتھ شامل تھا - مگر اس عالی حوصلہ اور زندہ دل شاعر کی جس شکستہ حالی مین بسر ہوئی سب پر ظاہر ہے - آتش کے کمال پر غور کرو اور پھر یہ دیکھو کہ خاک کے بچھونے کے سوا بوریا بھی میسر نہ ہوا - اور اکثر اس شہنشاہ سخن کو تین تین دن فاقے سے گذر گئے - ناسخ کی ضرور کسی قدر فارغ البالی مین گذری، لیکن وہ شان وشوکت اُن کو بھی نہ نصیب ہوئی جو قسام ازل نے داغ دہلوی کے لئے مخصوص کر رکھی تھی - اس مال ودولت کے علاوہ اگر شہرت پر نظر ڈالو، تو جو نام آج داغ کا ہے اس پر ہر فرد بشر کو ناز ہو سکتا ہے - ہندوستان مین آج کون شہر ایسا ہے جہان کے کوچہ و بازار مین داغ کی غزلین ارباب نشاط کے دلون کو نہ گرماتی ہون - اور رنگین طبع سامعین کو وجد مین نہ لاتی ہون - اس جاہ و ثروت اور اس عالمگیر شہرت کے اسباب کچھ ہی کیون نہ ہون، لیکن اس امر واقعی سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ داغ کو یہ قابل رشک نعمتین حاصل تھین -

تخلص بھی اس خوش نصیب شاعر نے ایسا نفیس پایا کہ سوائے دو چار شعرا کے کسی کے حصے مین کم آیا ہوگا - اتنا ضرور ہے کہ یہ تخلص نیا نہین ہے - میر سوز کے بیٹے کا تخلص بھی داغ تھا، مگر وہ بیچارے اُبھرے نہین - اور آج اُن کا نام بھی کوئی نہین جانتا اور نہ اُن کا کوئی شعر کسی کو یاد ہے -

اس مصنوعی شان و شوکت کے علاوہ اگر داغ کے شاعرانہ کمال پر نظر ڈالی جائے تو او

ہی عالم نظر آتا ہے۔ داغ کی شاعری عجب معرکہ آرا شاعری ہے۔ ایک فرقہ اس نامی شاعر کے معتقدین کا ہے جو اس پیمبر سخن کی شاعری کو معراج دینا اپنا ایمان سمجھتا ہے۔ اور ان حضرات کو یہ کہنے مین تکلف نہین ہوتا کہ آتش و ناسخ و ذوق و غالب وغیرہ بھی جو چراغ شاہراہِ سخن پر روشن کر گئے ہین وہ داغ کے کمال شاعری کے آفتاب کی روشنی مین ماند نظر آتے ہین۔ یا داغ کا کمال میر و مرزا کے کمال کا مجموعہ ہے۔ دوسرا گروہ اُن باوضع حضرات کا ہے جو داغ کے کمالِ سخن مین دھبہ لگانا اپنا مذہب سمجھے ہوے ہین اور جن کا یہ مقولہ ہے کہ امیر مینائی کے اکثر شاگرد داغ سے اچھا کہتے ہین۔ یا یہ کہ داغ کی زبان دہلی کی مستند زبان نہین ہے۔ غرضکہ داغ کے شاعرانہ وقار کی کشتی اِس وقت تحسین ناشناس اور نفرین بیجا کے دوآبہ مین پھنسی ہوئی ہے، اور ایک عجیب طوفان اِس کے گرد برپا ہے۔ مگر زمانہ کا ناخدا اِس سے زیادہ زور و شور کے طوفان جھیلے ہوے ہے۔ وہ اِس کشتی کو بھی ایک دن اپنے اصلی مرکز پر پہونچا دیگا۔ ہان بالفعل اس نامور شاعر کے کمال کا بے تعصبی کے ساتھ اندازہ کرنا کسی قدر دشوار ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس راہ مین قدم رکھتے ہی اکثر ایسی صورتین درپیش آتی ہین جو گمراہ کرنے کے لئے غول صحرائی سے کم نہین لیکن انصاف پسندی اور بے تعصبی کا وہ اسم اعظم ہے جو مُسافرِ تحقیق کو ضرور منزلِ مقصود تک پہونچا سکتا ہے۔ اس حالت مین اگر دہلی اور لکھنؤ کی معرکہ آرائیون کے پُرانے زخمون پر مرہم رکھ کر داغ کی شاعری پر ایک منصفانہ نظر ڈالی جاے تو یہ ثابت ہو جائیگا کہ یہ شوخ طبع شاعر نہ اس معراج کا مستحق ہے جو تحسین ناشناس کی بدولت اسے اکثر نگاہون مین حاصل ہے۔ نہ یہ غریب اس قعر بے کمالی مین پڑا ہے جس مین اس کے بیدرد اور کم نظر مخالف اسکو ڈھکیلنا چاہتے ہین

داغ کے کلام کی تاثیر اس امر کی شاہد ہے۔ کہ اس کے قدرتی طور پر شاعر ہونے مین کلام نہین۔ اِس کے کلام کا اثر حرارت برقی کی طرح سُننے والے کے دل مین دوڑ جاتا ہے۔ اور ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے، جس کا نام تاثیر سخن ہے۔ مگر تاثیر تاثیر مین فرق ہے اور شاعر شاعر کے کمال مین امتیاز ہو سکتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ داغ کا پایہ اُردو شعرا کے دربار مین کیا ہے۔ اور اس کا کلام کس قسم کی تاثیر دل مین پیدا کرتا ہے۔ اِس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ یہ دیکھا جائے، کہ وہ معیار کیا ہے جس سے شاعرانہ وقار کے مختلف مدارج کا اندازہ ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ معیار اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے، جب کہ شاعری کے اصلی مفہوم سے واقفیت ہو۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ شاعری کا اصلی مفہوم کیا ہے۔ شاعری وہ جادو یا اعجاز ہے جس کا کرشمہ یہ ہے۔ کہ انسان کے خیالات اور احساسات اُس کے جذبات دلی کے سانچے مین ڈھل کر زبان سے نکلتے ہین۔ اور ایک عالم تصویر پیدا کر دیتے ہین۔ اور چونکہ شاعر کی کانون کی فضا مین سلاست زبان کا نغمہ قدرتی طور پر سمایا ہوا ہوتا ہے۔ لہذا وہ اپنے الفاظ کو اِس خوبی سے ترتیب دیتا ہے کہ اُن مین علاوہ عالم تصویر کے ایک تاثیر موسیقی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ شاعر کا کلام ایک آئینہ ہوتا ہے۔ جس مین اُس کے اُن خیالات اور احساسات کا عکس نظر آتا ہے جو اِس کے جذبات دلی کے رنگ مین ڈوبے ہوے اس کی زبان سے نکلتے ہین۔ غرضکہ جذبات شاعری کی روح روان ہین۔ اور چونکہ دل کو دل سے راہ ہے۔ لہذا جس قسم کے جذبات کے رنگ مین شاعر کا کلام ڈوبا ہوا ہوگا وہ اسی قسم کے جذبات سامع کے دل مین بھی جوش مین لائیگا۔ مگر ان جذبات و خیالات وغیرہ کی وہ

قسمیں ہیں - اعلیٰ اور ادنیٰ - اعلیٰ جذبات وخیالات سے بحیثیت مجموعی فطرت انسانی کا روحانی حصّہ مراد لیا جاتا ہے - اور ادنیٰ جذبات وخیالات سے حیوانی حصّہ - جس شاعر کی فطرت میں اعلیٰ جذبات وخیالات ترقی پر ہوتے ہیں وہ پاکیزہ نظری اور بلند خیالی کی ہوا میں اُڑتا ہے۔ برعکس اس کے جس شاعر کی فطرت میں ادنیٰ جذبات وخیالات کا دریا موجزن ہوتا ہے۔ اِس کے اعلیٰ جذبات وخیالات ریگ تہ نشین کی طرح پامال رہتے ہیں اور اُس کی شاعری سُننے والے کے دل میں یہی ادنیٰ جذبات برانگیختہ کرتی ہے - اِس معیار کو پیش نظر رکھ کر اگر ہم داغ کے کمال کا اندازہ کریں تو یہ روشن ہو جاتا ہے کہ داغ کی شاعری اُن جذبات وخیالات کی تصویر ہے، جن سے فطرتِ انسانی کا حیوانی حصّہ مراد لیا جاتا ہے - اُردو شاعری عموماً عاشقانہ شاعری کہلاتی ہے - اور ایسا کہنا ایک حدتک صحیح بھی ہے - کیونکہ اُردو شعرا نے عموماً حُسن و عشق کی تصویریں اپنے جادو کار قلم سے کھینچی ہیں - مگر جو اعلیٰ درجے کے اُردو شاعر ہیں اُنھوں نے حُسن کو محض بازاری حُسن نہیں سمجھا ہے اور عشق کو محض جذبۂ حیوانی نہیں خیال کیا ہے - برعکس اُس کے داغ کا معشوق ہمیشہ بازاری معشوق ہے - اور داغ کے نزدیک عشق نفس پرستی کا دوسرا نام ہے - اِس صورت میں داغ کی شاعری کو عاشقانہ شاعری کہنا زیبا نہیں ہے، کیونکہ داغ حُسن و عشق کے اعلیٰ مفہوم سے بیخبر تھے - داغ کی شاعری عیّاشانہ شاعری ہے - جو عاشقانہ شاعری کے مقابلے میں ادنے درجے کی شاعری ہے - داغ کے اشعار سے وہ جذبات عالیہ جوش میں نہیں آتے جن کا تعلّق حسن وعشق کے اعلیٰ مفہوم سے ہے - بلکہ اُن کا کلام اُن خواہشاتِ نفسانی کو برانگیختہ کرتا ہے جو محض جذباتِ حیوانی سے وابستہ ہیں - اعلیٰ درجے کے اُردو

شعرا نے بھی اکثر حُسن وعشق کے اعلیٰ مفہوم سے قطع نظر کرکے داغ کے رنگ کے شعر کہے ہین مگر یہ اُن کا رنگ خاص نہین ہے۔ جب اُن کا طائرِ خیال اپنی قدرتی پرواز کے جوہر دکھاتا ہے تو اُس عالم کی خبر لاتا ہے، جہان بازاری حُسن وعشق کا بازار سرد نظر آتا ہے۔ تمثیلاً آتش و ذوق کے کلام سے چند اشعار ذیل مین درج ہین۔ دیکھو ان اعلیٰ درجے کے شعرا کے حُسن و عشق کا مفہوم کتنا عالی ہے۔

آتش

چشمِ نامحرم کو برقِ حُسن کردیتی تھی بند
دامنِ عصمت ترا آلودگی سے پاک تھا

حقیقت ہم سے پوچھے کوئی اِس عشقِ مجازی کی
بہت دیکھا ہی تصویرِ گلی کے رنگ و روغن کو

شیرین زبان ہوئی ہو فرہاد کے دہن مین
لیلیٰ پکارتی ہے مجنون کے پیرہن مین

صحرا ے تن کی سیر تو مجنون ذرا کرے
محمل سوار ہے اسی گرد و غبار مین

جو نعمت عشق کی چاہے تو راحت جان ایذا کو
عصا پیچھے دیا پہلے جلایا دستِ موسیٰ کو

کیفیت اُسے ملتی ہے ہو جس کے مقدر مین
مئے الفت نہ خم مین ہے نہ شیشے مین ساغر مین

محبت کی نگہ سے لطف ہر اک رنگ مین پایا
تماشا تھا جو دیکھا چشمِ بلبل سے گلستان کو

تکلف سے بری ہے حُسنِ ذاتی
قبائے گل مین گُل بوٹا کہان ہے

جذبِ بلبل مین اثر ہو تو قفس مین آتش
بوئے گل پھاند کے دیوارِ گلستان آئے

ذوق

مین ایسے صاحبِ عصمت پری پیکر کا عاشق ہون
نمازین پڑھتی ہین حورین ہمیشہ جس کے دامن پر

سینے مین بُوالھوس کے بھی تھا آبلہ مگر | نشتر کا نام سُنتے ہی مُنہ زرد ہوگیا
پروانہ بھی تھا گرم تپش پر کھلا نہ راز | بُلبُل کی تنگ حوصلگی تھی کہ غل ہوا
سینۂ چرخ مین ہر اختر اگر دل ہی تو کیا | ایک دل ہوتا مگر درد کے قابل ہوتا
مزے یہ دل کے لئے تھے نہ تھے زبان کے لئے | سو ہم نے دل مین مزے سوزشِ نہان کے لئے
وہ دل کہ جس مین سوزِ محبت ہے بند ذوق | بہتر ہے اُس سے سنگ کہ اُسمین شرر تو ہے

اسی طرح میر و سودا اور غالب وغیرہ کے یہان اس رنگ کے شعر مل جائینگے لیکن داغ کے کلام مین اس رنگ کا شعر مشکل سے ملیگا۔ اُن کے عشق و حُسن کا جو مفہوم ہے وہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے۔

داغ

عشق کیا شے ہے یہ وہ شے ہے کہ دل مین شوقِ وصل | خون ہو کر آگیا غم بن گیا سم ہوگیا
تم کہتے ہو معشوق اطاعت نہین کرتے | عاشق بھی تو معشوق کے نوکر نہین ہوتے
یون تو معشوق گل و شمع بھی کہلاتے ہین | دیکھنا یہ ہو۔ کہ مرتا ہے زمانہ کس پر
آلہی تو نے حسینون کو کیون کیا پیدا | کچھ ان کی ذات سے دُنیا کا انتظام نہین
شوخی سے دیکھنا بھی آتا نہین اُنہین | غرفے سے دیکھ لیتے ہین بازار کی طرف
نہ دلاسا نہ تسلّی، نہ تشفّی، نہ وفا، | دوستی اُس بتِ بدخو سے بنا ہین کیونکر
وہ شرمائی ہوئی آنکھین وہ گھبرائی ہوئی باتین | نکل کر گھر سے وہ گھبرا ترا امیدواروں مین
ہاے کہنا وہ کسی بُت کا دمِ نظارہ | آنکھ بھر کر ہمین دیکھے تو بس اندھا ہو جاے

وعدے پہ مرے اُنکے قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ اِدھر کل ہو اُدھر آج

کوئی بھی مجھ سے شب وعدہ نہین کہتا
اُٹھو چلو کہین جلدی، وہ راہ دیکھتے ہین

داغ یہ بات وہ سن لے تو غضب ٹوٹ پڑے
کہتے پھرتے ہو بُلایا ہے سر شام مجھے

یہی اقرار، یہی قول، یہی وعدہ تھا
او دغا باز، فسون ساز مکرنے والے

ان تمام اشعار مین داغ کا مفہوم حُسن وعشق بہت ہی ادنے ہے۔ یہ بھی کہدینا مناسب ہے کہ اس مقام پر سوائے دو تین شعرون کے تمام شعر "گلزار داغ" سے لکھے گئے ہین جس کی تصنیف کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ داغ کے کمال کا آفتاب نصف النہار تک پہونچ گیا تھا۔ ورنہ "مہتاب داغ" مین داغ کا مذاق سخن حد سے زیادہ عیاشانہ ہو گیا ہے۔ مثلاً اُس مین اس قسم کے شعر ملین گے۔

لطف ہے مین بھی شب وصل کہین چھپ رہتا
آدمی ان کا مری ٹوہ مین گھر گھر پھرتا

شاید اس سے بڑھکر معشوق کا غلط مفہوم کسی اُردو شاعر کے کلام مین کم ملیگا۔ مہتاب داغ سے داغ کے کمال کا اندازہ کرنا انصاف سے بعید ہے۔ کیونکہ مہتاب داغ اُس وقت کی تصنیف ہے جب کہ عمر کے ساتھ داغ کے کمال شاعری پر بھی زوال آچکا تھا۔

علاوہ برین اعلی درجے کے اُردو شعرا کا یہ دستور رہا ہے کہ ان کا طائر فکر حسن وعشق کے محدود قفس سے نکل کر رُوحانی جذبات وخیالات عالی کے طبقے مین اکثر گرم سیر رہا ہے۔ جہان نفس پرستی اور عیش پسندی کا پرندہ پر نہین مار سکتا۔ مثلاً آتش و ذوق وغیرہ نے بے ثباتی دُنیا، توکل عجز و نیاز، بلند نظری، عالی حوصلگی۔ قناعت، درد دل، سوز و گداز، تصوف وغیرہ کے مضامین شاعرانہ لطافت کے ساتھ نظم کئے ہین۔ یا اکثر مناظر قدرت کو محض مصوّر کی نگاہ سے نہین دیکھا ہے

بلکہ اُن کی باریک بین نظر کو صفحۂ ہستی کے ہر نقش و نگار کے پردے مین ایک روحانی کیفیت کا جلوہ دکھائی دیا ہے۔ جس کو اُنھون نے شاعرانہ نزاکت کے سانچے مین ڈھال دیا ہے۔ اِس نادر مشاہدۂ قدرت کرنا وہ اعلیٰ درجے کا شاعرانہ جوہر ہے جس پر دُنیا کے بڑے بڑے شاعر ناز کرتے ہوئے چلے گئے ہین۔ اِس رنگ کے کلام کا نمونہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔

آتش

دو روزہ ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا — بوئے شبِ عروسی مہمان ہے پیرہن مین
مُسافر ہی نظر آیا نظر آیا جو دُنیا مین — جسے دیکھا اُسے آلودۂ گردِ سفر دیکھا
باغِ عالم مین ہی نا فہمون کو بے برگی کا غم — سبز پتّے اِس چمن سے زرد صورت لے گئے
عالمِ اسباب سے حاصل ہوا آخر کفن — آسمان سے مرتے مرتے ہم بھی خلعت لے گئے
نعمتِ فقر ہی موجود جسے رغبت ہو — آبِ شیرین مین ہے نانِ نمکین تھوڑی سی
ادب آموز ہے ہر ایک ذرّہ اپنے وادی کا — نہین ممکن کہ گرد اُڑ کر پڑے رہرو کے دامن پر
محلِ ادب کا ہے ٹھکرا کے چل نہ قبرون کو — پیادہ ہو کے قدم یان سوار رکھتا ہے
طلبِ دُنیا کی کر کے زن مُریدی ہو نہین سکتی — خیالِ آبروئے ہمتِ مردانہ آتا ہے
نہ جب تک ہم پیالہ ہو کوئی مَے مین نہین پیتا — نہین مہمان تو فاقہ ہے خلیل اللہ کے گھر سے
دستِ یارانِ وطن سے نہین مٹّی درکار — دب مرونگا مین کہین ریگِ بیابان کے تلے
باغِ جہان مین گُل کی قناعت ہے جائے رشک — عمرِ دو روزہ ایک قبا مین تمام کی
تیرہ بختی کے اثر نے شام سے گُل کر دیا — صبح کو کوّے اُٹھا کر شمعِ تربت لے گئے

موت مانگو تو رہے آرزوے خواب مجھے — ڈوبنے جاؤن تو دریا ملے پایاب مجھے

مطلب نہ سرنوشت کا سمجھا تو شکر کر — دیوانہ ہو جو حال قضا و قدر کھلے

کعبہ و دیر مین وہ خانہ برانداز کہان — گردش کا فرو دیندار لیے پھرتی ہے

بتخانہ کھودڈالیے مسجد کو ڈھائیے — دل کو نہ توڑیے یہ خدا کا مقام ہے

پشت بر دیوار حیرت ہین ہزارون صورتین — صاحب آئینہ خانہ آج تک روپوش ہے

اے موج بے لحاظ سمجھ کر مٹائیو — دریا بھی ہے اسیر طلسم حباب کا

نہین کچھ دفتر گل ہی مین لکھی سرنوشت اسکی — شہادت نامۂ بلبل ہی ہر پتا گلستان کا

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے — ہزارہا شجر سایہ دار راہ مین ہے

صحرا کو بھی نہ پایا بغض و حسد سے خالی — کیا کیا جلا ہوا سا کھوپلا جو ڈھاک بن مین

ہوا ہی قحط کیون عالم مین موسیٰ و تجلی کا — وہی پتھر نظر آتے ہین اب تک کوہسارون مین

اثر رکھتی ہے گلگون کی کیفیت کی مستی ہے — ابھرنے مین حباب بحر کے اک جوش مستی ہے

خدا دراز کرے عمر چرخ نیلی کی — یہ بیکسون کے مزارون کا شامیانہ ہوا

ذوق

یہ اقامت ہمین پیغام سفر دیتی ہے — زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

بند آنکھین کیے جاتا ہو کدھر کو، کہ مجھے — ہے ترا نقش قدم چشم نمائی کرتا

ہنسی کے ساتھ یہان رونا ہو مثل قلقل مینا — کسی نے قہقہہ اے بےخبر مارا تو کیا مارا

حرص کے پھیلتے ہین پاؤن بقدر وسعت — تنگ ہی رہتے ہین دنیا مین فراغت والے

ہم رونے پر آجائین تو دریا ہی بہا دین
شبنم کی طرح سے ہمین رونا نہین آتا

پتنگے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصد خون کو آئے تو پہلے پکار دے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مر جائینگے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

کھل کے گل کچھ تو بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف
لپٹا پڑا ہے مُردہ سا گویا کفن کے ساتھ

آتی ہے صدائے جرسِ ناقۂ لیلےٰ
صد حیف کہ مجنون کا قدم اُٹھ نہین سکتا

اِس گلستانِ جہان مین کیا گلِ عشرت نہین
سیر کے قابل ہے لیکن سیر کی فرصت نہین

جو یہ سمجھتے کہ چُن چُن کے ہم کو توڑین گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بُو کرتے

رنگین سوا ہے اب کے گلِ نو بہار سے
اگلا جو برگِ زرد کوئی اس چمن مین ہے

نہین گوش شنوا باغ جہان مین غافل
ورنہ ہر برگ ہے یان نغمہ سرائی کرتا

گندم ہے سینہ چاک فراقِ بہشت مین
آدم کو کیا نہ ہوگی محبت وطن کے ساتھ

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے

کب لباسِ ظاہری مین چھپتے ہین روشن ضمیر
پردۂ فانوس مین بھی شعلہ عریان ہی رہا

داغ کے کلام مین ایسے جذباتِ رُوحانی اور خیالاتِ عالی کا پتا نہ ملیگا۔ نہ اس رنگ کی مشاہدۂ قدرت کی تصویرین نظر آئین گی۔ بیشک داغ پر کہین کہین ذوق کا سایہ پڑ گیا ہے۔ اور دو چار شعر بیکسی و یاس کے رنگ مین قلم سے نکل گئے ہین۔ مثلاً داغ کہتے ہین۔

اے آرزوی تازہ نہ کر مجھ سے چھیڑ چھاڑ
مین پائے شوق و دست تمنا بریدہ ہون

لامکان مین بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے — بیکسی مین تو اُدھر ہون کہ جدھر کچھ بھی نہین

دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلی — چمپا کھلا گلاب کھلا موتیا کھلی

خدا کرے نہ کسی کو امیدوار وصال — دُعائین مانگتے ہین ترک مُدعا کے لئے

مگر ایسے شعرون کی تعداد داغ کے کلام مین بہت کم ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔ عموماً اِس شوخ طبع شاعر کا کلام ہجر و وصل اور کنگھی چوٹی کے مضامین کا ذخیرہ ہے۔ واقعی سچ کہا ہے۔

وہی جھگڑا ہے فرقت کا وہی قصہ ہو وصلت کا
تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

پس جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے۔ داغ کی شاعری کے لئے سب سے موزون لقب عیاشانہ شاعری ہے۔ اکثر حضرات فرماتے ہین کہ داغ کا کلام دل مین چٹکی لیتا ہے' یہ بات آتش و ذوق و غالب وغیرہ کو نصیب نہین۔ مگر ان حضرات کو یہ خیال کر لینا چاہئیے کہ داغ کا کلام کس قسم کی ''چٹکی'' لیتا ہے یعنی کس قسم کی تاثیر پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی حسین و حیا پرور صورت نظر آئے یا کسی شاداب چمن یا دل فریب منظر کی سیر نصیب ہو تو انسان کے دل کو ایک روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کا نام بھی تاثیر ہے۔ اور مین کہون گا۔ کہ ذوق و آتش وغیرہ کی شاعری اسی قسم کی تاثیر سے مالامال ہے۔ برعکس اس کے اگر کوئی حیرانک عورت بانکا دوپٹا اوڑھ کر سامنے سے نکل جائے تب بھی دل مین ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اِس کو بھی تاثیر کہین گے۔ داغ کا کلام سُننے سے اسی قسم کی تاثیر دل مین پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ذوق کا شعر ہے۔ ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو — ورنہ طاعت کے لئے کرّوبیان کچھ کم نہ تھے

ذوق کا یہ خیال کہ انسان دردِ دل کے واسطے پیدا ہوا ہے یعنی غیرون سے ہمدردی کرنے کے لئے، نہ کہ محض اپنے بھلے کے لئے عبادت کرنے کو۔ یہ وہ پاکیزہ خیال ہے جس کو تہذیبِ انسانی کا معیار سمجھنا چاہیئے۔ اور چونکہ یہ خیال اِس شعر مین شاعرانہ لطافت کے ساتھ نظم کیا گیا ہے، لہذا اس کے پڑھنے سے یا سُننے سے بلند ہمتی اور ہمدردی کے جذباتِ عالی جوش مین آتے ہین۔ داغ نے بھی اسی طرز کا ایک شعر کہا ہے۔ ؎

پند واعظ سنتے سنتے کان اپنے بھر گئے
کیا عبادت کو ہمین ہین سب فرشتے مر گئے

اِس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ہم کیون عبادت کرنے لگے یہ کام فرشتون کا ہے۔ اندازِ بیان مین ایک ظریفانہ شوخی ہے جو دل مین چٹکی ضرور لیتی ہے مگر کسی جذبۂ عالی کو جوش مین نہین لاتی وہ بات کہان۔ ع "دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو"۔

اسی طرح اکثر حضرات داغ کی زبردست شہرت سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ داغ کی شاعری بھی اعلیٰ درجے کی شاعری ہے چنانچہ کہتے ہین کہ داغ کے شعر آج ہندوستان مین بچے بچے کی زبان پر ہین۔ آتش و ذوق و غالب وغیرہ کو کبھی ایسی شہرت حاصل نہوئی۔ بیشک داغ کی شہرت سے کوئی انکار نہین کرسکتا۔ لیکن امر غور طلب یہ ہے کہ محض شہرت کو اصلی قابلیت کا معیار سمجھنا ہرگز جائز نہین ہے۔

داغ کی یہ شہرت محض اس لئے ہے کہ اُن کا کلام عموماً اُن جذبات اور خواہشاتِ نفسانی کی تصویر ہے جو عوام کے دل مین اُمنگ پیدا کرنے کے لئے جادو کا اثر رکھتی ہین۔ برعکس اس کے

آتش و ذوق و غالب وغیرہ کے کلام کی قدر کرنے اور سمجھنے کے لئے ایک قسم کی شاعرانہ تربیت اور مذاق کی شائستگی درکار ہے - عوام الناس کی فطرت مین چونکہ جذبات روحانی اور خیالاتِ عالی خس پوش پھولون کی طرح خواہشات نفسانی اور ادنے جذبات سے دبے رہتے ہین اور چونکہ علم سے اُن کے آئینۂ فہم کو جِلا نہین ہوتی، لہذا وہ آتش اور غالب وغیرہ کی بلند پروازی کی داد نہین دے سکتے - اُن اعلیٰ درجے کے شعرا کی وقعت تربیت یافتہ طبقون تک لازمی طور سے محدود ہے مثلاً داغ کا شعر ہے - ؎

ہائے کہنا وہ کسی بُت کا دمِ نظارہ | آنکھ بھر کر ہمین دیکھے تو بس اندھا ہو جائے

ہر بازاری شخص کو یہ شعر اسی قسم کا کوئی نہ کوئی گذشتہ تجربہ یاد دلا دیگا - اور اس لئے وہ اس کو سُن کر تڑپ جائیگا لیکن اگر اسی شخص کے سامنے آتش کا ذیل کا شعر پڑھ دیا جائے - ؎

چشمِ نامحرم کو برقِ حُسن کر دیتی تھی بند | دامنِ عصمت ترا آلودگی سے پاک تھا

تو اُس کو خاک لطف حاصل نہ ہوگا کیونکہ جو جذبۂ عالی اس شعر کے پڑھنے سے جوش مین آسکتا ہے وہ شخص مذکور کے دل مین مُردہ حیثیت مین ہے - اِس شعر کی داد وہی سخن فہم دیگا جس کی طبیعت مین پاکیزگی کا جوہر موجود ہے - اور جس کو شاعرانہ ترتیب حاصل ہے - داغ کا کلام اُنہین لوگون مین ضرورت سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے جو اعلیٰ درجے کی شاعری سے واقف نہین ہین - مثلاً ارباب نشاط کا فرقہ داغ کو اپنا پیغمبر سمجھتا ہے - اور ایسا ہونا تعجب کی بات نہین ہے کیونکہ عیاشانہ شاعری سے جو جذبات جوش مین آتے ہین اُن کی لذت سے اس طبقۂ خاص کے برابر کون واقف ہو سکتا ہے - پس کسی شاعر کے کلام کا عام فہم ہونا اُس کے کمال شاعری پر دلالت نہین کرتا - اکثر شاعر ایسے

ہین جن کو پسند عام کے ساتھ قبول خاص کا شرف بھی حاصل ہے، مگر داغ اس شرف سے محروم ہین۔ اُن کا کلام جس قدر عام پسند ہے اُس حد تک خاص طبقون مین مقبول نہین۔

اکثر بزرگوار یہ بھی کہتے ہین کہ داغ کا سُلجھا ہُوا کلام عموماً استعارون اور تشبیہون کی گتھیون سے پاک ہے، محض سُتھری ستھری ترکیبین ہین اور ہر شعر روزمرّہ کی گفتگو کی تصویر ہے۔ اِن حضرات کے نزدیک کمال شاعری کے معنے یہی ہین۔ کہ اندازِ بیان سلیس ہو اور کوئی محاورہ یا چٹکلا روانی کے ساتھ نظم کر دیا جائے۔ مگر سخن فہم جانتے ہین کہ یہ باتین ادنےٰ قسم کے محاسن شعری مین داخل ہین۔ شاعری کے جوہرون مین استعارہ و تشبیہ کا پایہ بہت بلند ہے۔ استعارہٗ و تشبیہ کی نجتگی سے کلام کی تاثیر ہی نہین بڑھ جاتی بلکہ شاعر کی نازک خیالی اور باریک بینی کا بھی پتا چلتا ہے جن دو اشیا مین بادی النظر مین کوئی مشابہت نظر نہین آتی شاعر اُن کا پرتو اپنے آئینۂ خیال مین دیکھتا ہے۔ اور اس کی باریک بین نگاہ کو اُن اشیا مین معنوی حیثیت سے ایک مناسبت نظر آتی ہے وہ اِس کیفیت کی تصویر الفاظ مین کھینچ دیتا ہے۔ اِسی کا نام تشبیہ و استعارہٗ ہے۔ دیکھو اعلیٰ درجے کے اُردو شاعرون نے اِس رنگ مین کیا نازک خیالی اور باریک بینی کی داد دی ہے۔ ؎

آتش

کیا پوچھتے ہو حال خزان و بہار کا — اک زخم تھا کہ خشک ہوا اور نم ہُوا

جو کامل ہین نہین اندیشۂ آتش اُن کو بدبین کا — دہانِ زخم کاری خندہ زن ہین چشمِ سوزن پر

خراب مٹی نہ کسی کی کوئی زمرّد و دوستان ہو — جُدا ہوا شاخ سے جو پتا غبار خاطر ہوا چمن کا

ابتدا مین روح ہے تن خانہ خراب سے — پائے سمند اُلجھا ہوا ہے رکاب سے

نازک خیال اب بھی ہین موجوٗدِ فلک — خالی رہا نہین کبھی دریا حباب سے

قیدِ عفت مین ہو وہ محبوب عاشق جان بلب — نزع مین بیمارِ عیسیٰ دامن مریم مین ہے

جوشِ جنون مین دیکھیے پیچھے نہ مڑ کے پھر — رُخ جس طرف کو صحبتِ دریا اُٹھایئے

ذوق

سمجھ یہ دار و رسن تار و سوزن اے منصور — یہ چاک پردہ حقیقت کا ہین رفو کرتے

ہوا پہ دوڑتا ہی اس طرح سے ابرِ سیاہ — کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

نہ چھوڑ تو کسی عالم مین راستی کہ یہ شے — عصا ہی پیر کو اور سیف ہے جوان کے لئے

بیٹھے بھرے ہوے ہین خم مے کی طرح سے — پر کیا کرین کہ مہر ہے لب پر لگی ہوئی

وادیِ ظلمت مین اپنے دخل کب ہے نور کا — مہر اک شعلہ سا ہے وہ بھی چراغِ طور کا

دل کا یہ احوال ہی غم سے ترے اے مستِ ناز — جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

رہے جون شیشۂ ساعت وہ مکدّر دونون — کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے

دیکھو چھوٹون کو ہے اللہ بڑائی دیتا — آسمان آنکھ کے تل مین ہے دکھائی دیتا

ان اشعار کے دیکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعلےٰ درجے کے شعرا نے محض محاورہ یا چٹکلا یا چونچلا نظم کرنے کو معراج کمال نہین تصور کیا ہے۔ بلکہ اپنے لطیف خیالات کے دریاے موجزن کو استعارہ یا تشبیہ کے کوزے مین بند کر کے معجزہ دکھایا ہے۔ داغ کا مذاق سخن عموماً محاورے یا چٹکلے نظم کرنے تک محدود ہے۔ اگر کبھی استعارہ یا تشبیہ کی طرف توجہ ہوئی ہے تو محض پامال اور

بیش پا افتادہ تشبیہون اور استعارون سے کام لیا ہے۔ مثلاً زلف کو سنبل سے۔ لب کو گلاب کی پتی سے۔ ہلال کو ابرو سے۔ آبلہ کو آنکھ سے تشبیہ دی ہے۔ یا گل کا ہنسنا، شبنم کا رونا، یا سایہ کا اُفتادہ ہونا نظم کیا ہے:۔

داغ

سوز و گداز عشق کا لذّت چشیدہ ہون　　مانند آبلہ ہمہ تن آبدیدہ ہون

افتادگی یہ بھی نہ گئی میری جستجو　　گویا زمین پہ سایۂ مرغ پریدہ ہون

ابتدائے رمضان مین ہے مہ عید کی دھوم　　کسی کافر نے دکھایا نہ ہو ابرو اپنا

اِس قسم کی تشبیہون اور استعارون سے اِس امر کا ثبوت نہین ملتا کہ شاعر مین نازک خیالی اور باریک بینی کا مادّہ غیر معمولی طور سے موجود ہے۔

اب تک ہم نے محض جذبات و خیالات وغیرہ کی لطافت، طبیعت کی بلند پروازی، نازک خیالی اور باریک بینی وغیرہ کے لحاظ سے داغ کی شاعری پر بحث کی ہے۔ اور اس امر کا اندازہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ یہ جوہر جو کہ شاعری کے جزو اعظم ہین۔ داغ کے کلام مین بمقابلہ دیگر گرانمایہ شعرائے اُردو کے کس حد تک موجود ہین۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ داغ کی زبان کا کیا رنگ ہے۔

زبان مضامین کا لباس ہے۔ اور جیسا کہ لباس و ملبوس مین عموماً ایک تناسب پایا جاتا ہے اسی طرح داغ کی زبان خاص طور پر اُن مضامین کے نظم کرنے کے لئے موزون ہے جو اس رنگ کی طبیعت کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہین۔ چنانچہ داغ کی زبان کی بے تکلفی اور شوخی عیاشانہ مضامین کا حسن دوبالا کر دیتی ہے۔ اور یہ شوخی اور بے تکلفی بھی ضرور ایک حد تک قابل تعریف ہے،

کیونکہ یہ خوبیان بھی ہر کس وناکس کے حصے مین نہین آئین لیکن وہ جوہر عالی جو شاعرانہ زبان کی جان ہے داغ کی زبان مین موجود نہین - یہ وہ جوہر ہے جو زبان مین الفاظ سے صنّاعی کرنے سے پیدا ہوتا ہے - صنّاعی سے میری مراد تصنع نہین ہے - تصنع اس تکلف زائد کا نام ہے جو قدرتی خوبیون پر پردہ ہو جاتا ہے - برعکس اس کے صنّاعی سے کسی شی کے قدرتی محاسن کا عالم دوبالا ہو جاتا ہے - جس طرح کوئی عالی دماغ صناع کسی چاندی یا سونے کے ٹکڑے سے نفیس نفیس زیور تیار کر لیتا ہے - اسی طرح اعلیٰ درجے کے شعرا روزمرّہ کی گفتگو کو نازک بندشون اور چست ترکیبون سے آراستہ کر کے اپنی زبان مین ایک عالم تصویر پیدا کر دیتے ہین جس کا حسن تاثیر بیان نہین کیا جا سکتا مگر محسوس ہو سکتا ہے - آتش نے اپنے ذیل کے شعر مین اسی کیفیت کا اشارہ کیا ہے - ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگون کے کم نہین
شاعری بھی کام ہے آتش مرصّع ساز کا

داغ کی زبان مین اس صنّاعی کو دخل نہین ہے، اُنھون نے محاورے اور چٹکلے بجنسہٖ اسی طرح نظم کر دیے ہین جس طرح روزمرّہ کی گفتگو مین بولے جاتے ہین - حاصل یہ کہ داغ کی زبان زبان اُردو کا وہ پاک اور نفیس سرچشمہ نہین ہے جو آتش ذوق انیس وغیرہ کے فیضان سخن سے ہندوستان مین جاری ہے اور جس کا ترنم قدردانان سخن کو ہمیشہ وجد مین لاتا رہیگا - دیکھو اعلیٰ درجے کی شاعرانہ زبان یہ ہے - ؎

آتش

وہی نشو و نمائے سبزہ ہے گورِ غریبان پر
ہوائے چرخ زنگاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

مصوّر کو تری تصویر کا سودا مبارک ہو
مقامِ گیسوئے مشکین و خالِ عنبرین آیا

تراشا تجھکو جس بُت ساز نے اے بُت قیامت کی ‏ ‏ بنایا شیشے سے نازک مزاجِ سنگ خارا کو

موسمِ گل کی ہوا کرنے لگی نازپری ‏ ‏ سکّہ بازارِ جنون کا داغ سودا ہو گیا

چمن مین جا کے بھولے سے مین خستہ دل کراہا تھا ‏ ‏ کیا کی گل سے بلبل حیلۂ دردِ گلو برسون

سبوے غنچہ ہے معمور جام گل لبریز ‏ ‏ ٹپک رہی ہے شراب برنو بہاری سے

آنکھ وہ فتنۂ دوران کسے دکھلاتا ہے ‏ ‏ شعبدہ جانتے ہین گردشِ ایام کو ہم

شباب تک نہین پہونچا ہی عالمِ طفلی ‏ ‏ ہنوز حُسن جوانی یار راہ مین ہے

بہارِ لالۂ و گل سے لگی ہے آگ گلشن مین ‏ ‏ گریبان پھاڑ کر چل بیٹھیے صحرا کے دامن مین

اسی طرح اور اعلے درجے کے اُردو شعرا نے اپنی اپنی لیاقت و قابلیت کے مطابق صنّاعی کو زبان مین دخل دیا ہے۔

اب داغ کا رنگ زبان ملاحظہ ہو۔

داغ

حضرتِ دل آپ ہین کس دھیان مین ‏ ‏ مر گئے لاکھون اسی ارمان مین

دل کی قیمت اک نگہ ہے اے صنم ‏ ‏ آگے جو آئے ترے ایمان مین

لُطفِ مے تجھ سے کیا کہون زاہد ‏ ‏ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہین

شبِ وعدہ گزر گئی آدھی ‏ ‏ اب سُنا ہے کہ تیل سر مین پڑا

مرحبا او دل و دین لے کے مکرنے والے ‏ ‏ ہاتھ کانون پہ مرے نام سے دھرنے والے

داغ کہتے ہین جنھین دیکھیے وہ بیٹھے ہین — آپ کی جان سے وُر آپ پہ مرنے والے
بتاؤن نام اے دربان تجھے کیا — یہ کہدے کوئی آیا ہے کہین سے
دل مین سما گئی ہین قیامت کی شوخیان — دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ مین
وقت ملنے کا جو پوچھا تو کہا کہدین گے — غیر کا حال جو پوچھا تو کہا کہتے ہین
دیکھا ہی بتکدے مین جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ — ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا
داغ کے نام سے نفرت ہے وہ جل جاتے ہین — ذکر آنے کو تو کمبخت کا اکثر آیا

جس طرح علم الارض کے جاننے والے زمین کے دو طبقون مین وہ فرق محسوس کر لیتے ہین جو معمولی شخص کو نظر نہین آسکتا۔ اسی طرح سخن شناس اس امر کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہین کہ داغ کی زبان مین اور آتش کی زبان مین کیا فرق ہے۔ دونون کی زبان مین پاکیزگی اور روانی کے جوہر موجود ہین۔ مگر ایک مین قدرتی سادگی کے علاوہ شاعر کے جادو نگار قلم نے عالم تصویر پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے مین محض وہی سادگی اور روانی ہے جو پانی مین ہوتی ہے۔ یا یون کہیے کہ دو آئینے ہین ایک محض شیشے کا ٹکڑا ہے۔ دوسرے مین جلا بھی کر دی گئی ہے۔

اکثر ایسے معمولی مضامین ہین جن کو ہر اُردو شاعر اپنی میراث سمجھتا ہے اور جن کو نظم کرنے مین صرف اسی قدر جدّت صرف کرنا پڑتی ہے کہ بندش و ترکیب الفاظ کا لباس نیا ہو۔ دیکھو داغ نے اس قسم کے مضامین کو زبان کا کیسا سادہ لباس پہنایا ہے، اور اُردو کے اعلیٰ درجے کے شعرا نے ان شاہدانِ معنی کے لئے کیسا نفیس پیراہن تیار کیا ہے۔

داغ	اے داغ بُرا مان نہ کچھ اُسکے کہے کا	معشوق کی گالی سے تو عزت نہین جاتی
مومن	دشنام یار طبع حزین پر گران نہین	اے ہمنشین نزاکتِ آواز دیکھنا
داغ	کون تھا مجھ سا تمنائی کہ برسون میرے بعد	قبر پر آ کے چلائی پکاری آرزو
آتش	برابر جان کے رکھا ہے اسکو مرتے مرتے تک	ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسون
داغ	جاتے تھے مُنہ چھپائے ہوئے میکدے کو ہم	آتے ہوئے اُدھر سے کئی بار سا ملے
غالب	کہان میخانے کا دروازہ غالب اور کہان واعظ	پر اتنا جانتے ہین کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے
داغ	دیکھا ہے تم کو آخرِ شب پاس غیر کے	سُنتے ہین خواب صبح کا ہوتا ہے کم غلط
غالب	بغل مین غیر کے آج آپ سوئے ہین کہین ورنہ	سبب کیا خواب مین آ کر تبسمہای پنہان کا
داغ	وہ اثر سے مین ڈرا ہون کہ دعا مین مانگتا ہون	کہ مری دُعا الٰہی نہ ہو مستجاب ہرگز
مومن	مانگا کرین گے ہم بھی دُعا ہجر یار کی	آخر تو دشمنی ہے اثر کو دُعا کے ساتھ
داغ	بھلا ہو پیر مغان کا ذرا نگاہ ملے	فقیر ہین کوئی مُجھکو خدا کی راہ ملے
آتش	کیا بادۂ گلگون سے مسرور کیا دل کو	آباد رکھے داتا ساقی تری محفل کو

اِس طولانی بحث سے ہمارا منشا یہ ہے کہ اہلِ سخن پر ظاہر ہو جائے کہ بلحاظ نوعیت مضامین و نیز بلحاظ حُسن بیان و پاکیزگی زبان داغ اُن اعلیٰ درجے کے اُردو شعرا کے ہمپایہ نہین ہین جن کا شمار نظم اُردو کے دربار کے بالانشینون مین ہے۔ اور جو داغ کے رنگ کے خصوصیات ہین۔ مثلاً محاورے یا چٹکلے نظم کرنا۔ استعارہ و تشبیہ سے کم کام لینا۔ عاشق و معشوق کی نوک جھونک کے عیاشانہ مضامین شوخی اور چلبلاہٹ کے ساتھ باندھنا، یہ خصوصیات اعلیٰ درجے

کی شاعری کے جوہر نہین ہین مختصر یہ کہ داغ کی شاعری بحیثیت مجموعی عیاشانہ شاعری ہے۔ اور عیاشانہ شاعری ادنے درجے کی شاعری خیال کی جاتی ہے۔ آج جبکہ شاعری کا اصلی مفہوم اکثرون سے فراموش ہوگیا ہے تو ممکن ہے کہ ایسا کہنا بہت سے حضرات کو ناگوار گذرے لیکن اُردو کے اساتذۂ قدیم بھی عیاشانہ شاعری کو وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھتے تھے۔ قدما مین میان جُراُت اس رنگ کے کہنے والے تھے۔ ان کی نسبت میر تقی میر کا جو خیال تھا وہ ذیل کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

کسی مشاعرے مین ایک دفعہ جراُت نے غزل پڑھی اور غزل بھی وہ ہوئی کہ تعریفون کے غل سے شعر تک سُنائی نہ دیے۔ میان جُرات یا تو اُس جوش سرور مین جو اس حالت مین انسان کو سرشار کر دیتا ہے یا شوخی مزاج سے میر صاحب کے چھیڑنے کے ارادے سے ایک شاگرد کا ہاتھ پکڑ کے اُن کے پاس آکر بیٹھے اور کہا کہ حضرت اگرچہ آپ کے سامنے غزل پڑھنا بے ادبی اور بے حیائی ہے مگر خیر۔ اِس بیہودہ گو نے جو یاوہ گوئی کی وہ آپ نے سماعت فرمائی؟ میر صاحب تیوری چڑھا کر چُپکے ہو رہے۔ جرات نے پھر کہا، میر صاحب کچھ ہون ہان کرکے پھر ٹال گئے۔ جب اُنھون نے بہ تکرار کہا تو میر صاحب نے جو الفاظ فرمائے وہ یہ ہین:۔

”کیفیت اِس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہہ نہین جانتے ہو، اپنی چوما چاٹی کہہ لیا کرو۔“ (آب حیات)

اِس موقع پر ایک غلط فہمی کا رفع کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے یعنی معترض کہہ سکتا ہے کہ آتش و غالب و ذوق وغیرہ کے یہان بھی ایسے شعر ملین گے جو عیاشانہ شاعری کے رنگ مین ڈوبے ہوے ہین اور جن کی زبان کا رنگ داغ کی زبان سے ملتا ہو مثلاً آتش کہتے ہین۔

ع وصل کی شب رنگ گردون نوع دیگر ہو گیا　　شام سے یار او رمین جامے سے باہر ہو گیا

یا غالب کہتے ہین:۔

دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہین ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایک دن

پس ان شعرائے گرانمایہ مین اور داغ مین کیا فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شاعر کے کلام کا اندازہ متفرقات سے نہین کیا جاتا بلکہ اس کے کلام پر اک جامع اور وسیع نظر ڈالی جاتی ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ بالعموم اس کی طبیعت کا رنگ کیا ہے۔ اور کس قسم کے مضامین نظر کرنے مین اس کو سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آتش و غالب وغیرہ کے یہان اکثر عیاشانہ مضامین کے شعر ملین گے۔ مگر وہ اِن کی شاعری کے دامن پر داغ خیال کئے جاتے ہین۔ جس رنگ کے اشعار سے اِن کا وقار قائم ہے۔ وہ کسی اور ہی عالم کا اشارہ کرتے ہین۔ اِسی طرح داغ کا ایک شعر اسیر یا ناسخ کے رنگ مین ہے

رُکتے ہین پیچ و تاب سے بھی تیز رو کہین پانی کی کب گرہ پڑی ماہی مین رہ گئی

اگر دو چار شعر داغ کے کلام مین اس رنگ کے او نکل آئین تو اُن کی بنیاد پر یہ نہین کہا جا سکتا کہ داغ کے رنگ مین اور ناسخ یا اسیر کے رنگ مین کوئی فرق نہین ہے۔ کیونکہ اِس قسم کے اشعار کی تعداد داغ کے کلام مین بہت ہی محدود ہے اور نیز اِس رنگ کے مضامین کے نظم کرنے مین داغ کو وہ کامیابی نہین حاصل ہوئی جس کا پتا اُن کے عیاشانہ رنگ کے اشعار مین ملتا ہے یعنی وہ بے تکلفی اور شوخی جو داغ کے لئے باعثِ فخر ہے اس طرز کے اشعار مین نظر نہین آتی۔ پس اگر داغ کا اور دیگر اعلیٰ درجے کے اُردو شعرا کا موازنہ منظور ہے تو یہ دیکھو کہ آتش و غالب وغیرہ کے طائرِ فکر کی قدرتی پرواز کیا ہے اور اُن کے اُن اشعار پر غور

کرو جو ان کی شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمک رہے ہین اور پھر یہ دیکھو کہ داغ کی پرواز فکر کا نقطۂ انتہائی کیا ہے اور کس رنگ کے اشعار اس کی شہرت کے لئے طرۂ دستار ہین۔ اِس روش پر چلنے سے یہ آئینہ ہو جائیگا کہ جو عیاشانہ مضامین آتش و غالب وغیرہ کے جام سخن مین تلچھٹ کی طرح نظر آتے ہین۔ داغ کا ساغر فکر انہین سے لبریز ہے۔ داغ کی شاعری کی زمین دوز عمارت کا بام عالی ان کے رفیع الشان قصر سخن کا آستانہ ہے۔ پس آتش و غالب وغیرہ کے یہان اکثر مقامات پر عیاشانہ رنگ کے اشعار کا ہونا بہ حیثیت مجموعی ان اعلیٰ درجے کے شعرا کا وقار نہین گھٹا سکتا۔ نہ داغ کو ان کا ہمپایہ ثابت کر سکتا ہے۔

مگر با این ہمہ اِس وقت اِس تیرہ خاکدان ہند مین داغ کے دم کی روشنی غنیمت تھی۔ اُردو شاعری کا نام اسی کی ذات سے زندہ تھا۔ گو وہ آتش و غالب و ذوق وغیرہ کا ہمپایہ نہ ہو لیکن اس کے قدرتی طور پر شاعر ہونے مین کوئی شک نہین۔ اور اس نعمت خداداد کا حاصل ہونا بھی کچھ کم فخر کی بات نہین ہو کہ اس کے کلام کی شوخی مصنوعی شوخی نہین ہے۔ جو شعر اس کی زبان سے نکلتا ہے تاثیر مین ڈوبا ہوا نکلتا ہے اور اصل یہ ہے کہ اپنے رنگ خاص مین وہ معجزہ دکھا گیا ہے۔ واقعی کیا خوب کہا ہے۔

دل کا کیا حال کہون صبح کو جب اس بُت نے — لیکے انگڑائی کہا ناز سے ہم جاتے ہین

آتا ہے مجھ کو یاد سوالِ وصال پر — کہنا کسی کا ہاے وہ مُنہ پھیر کر نہین

گلے شکوے کہانتک ہونگے آدھی رات تو گذری — پریشان تم بھی ہوتے ہو، پریشان ہم بھی ہوتے ہین

خبر سُن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبون سے — خدا بخشے بہت سی خوبیان تھین مرنے والے مین

کسی کی نرگسِ مخمور کچھ کہدے اشارون مین　　مزا ہے رات دن چلتی رہے پرہیزگارون مین

غضب ہے دیکھنا اِس سادگی پر مر گئے لاکھون　　کہا تھا کس نے بن ٹھن بیٹھین وہ میرے سوگوارون مین

لڑ گئی یارِ گلعذار سے آنکھ　　اب نہین چھپتی ہزار سے آنکھ

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤن تک چھائی ہوئی　　اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

بتاؤن نام اے دربان تجھے کیا　　یہ کہدے کوئی آیا ہے کہین سے

زاہد کو بندگی کا نتیجہ تو مل گیا　　گردن خمیدہ یادِ الٰہی مین رہ گئی

وصل کا وعدہ اشارون مین کہین ہوتا ہے　　مین ترے سر کی قسم کچھ نہ مری جان سمجھا

ہاتھون سے جو بچے تری باتون سے مر گئے　　چٹکی مین تیر جو تھا وہ لب پر سخن ہُوا

رازِ دل کوئی کہے لاکھون مین کیونکر اپنا　　داورِ حشر جُدا چاہیے محشر اپنا

زبان سے کر لیا بھی وعدہ تو نے تو یقین کس کو　　نگاہین صاف کہتی ہین کہ دیکھو یون مکرتے ہین

رنج وہ رنج ہے جس مین تری باتون کو بھولین　　عیش وہ عیش ہے جس مین نہ خدا یاد رہے

کیسا نظارہ کس کا اشارہ کہان کی بات　　سب کچھ ہے اور کچھ نہین نیچی نگاہ مین

بڑا مزا ہے جو محشر مین ہم کرین شکوہ　　وہ منّتون سے کہین چپ رہو خدا کے لئے

سب سے تم اچھے ہو تم سے مری قسمت اچھی　　یہی کمبخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی

دیکھنے والون سے انداز کہین چھپتے ہین　　ہم کو پردے مین نظر آتی ہے صورت اچھی

آپ محشر مین نہین قول کے سچے کیا خوب　　اُنگلیان اُٹھینگی وہ آئے مکرنے والے

اِس رنگ مین اِس سے بڑھ کر کوئی کیا کہیگا۔ داؔغ کی شاعری کا دائرہ چاہے وسیع نہ ہو لیکن جو اس کا انداز خاص ہے اس پر وہ حاوی ہے اور اپنے بیشۂ سخن کا شیر ہے۔ داؔغ کے مقابلہ مین یون تو بہت سے حضرات آستینین چڑھایا کیے لیکن اگر میدانِ سخن مین اس کا کوئی قابل وقعت مدعی تھا تو وہ لکھنو کا چراغ امیر احمد مینائی تھا۔ گو کہ آمیر مرحوم کو داؔغ کے برابر شہرت نہین حاصل ہوئی تھی لیکن خاص خاص طبقون مین آمیر کا نام ہمیشہ داؔغ کے مقابلے مین لیا گیا۔ اِس مین شک نہین کہ آمیر کی مشکل پسند طبیعت نے اکثر ایسے جوہر دکھائے جس کی بدولت اِس پہلوان سخن کو زمانہ سے اُستادی کی سند ملی۔ لیکن امیر کی طبیعت کو شاعری سے وہ ازلی مناسبت نہین ہے جو داؔغ کا حصّہ ہے۔ یہ ضرور ہے کہ داؔغ کا مذاق سخن اعلیٰ درجے کا نہین ہے لیکن اس کے قدرتی طور پر شاعر ہونے مین کلام نہین۔ یہ اور بات ہے کہ اِس کی نگاہ بلند بینی کے عوض مائل بہ پستی ہو۔ اور قدرت کے وسیع میدان سے قطع نظر کرکے ایک خاص دائرے تک محدود ہو۔ مگر اِس سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ یہ نگاہ شاعر کی نگاہ ہے۔ داؔغ کے سینے مین شاعری کی آگ روشن ہے۔ لہٰذا اس کا کلام گرمی تاثیر سے مالامال ہے۔ آمیر کا کلام اس کیفیت سے خالی ہے۔ اُن کی شاعری مصنوعی شاعری ہے۔ اُنھون نے شاعری کو مشق کے زور سے حاصل کیا ہے۔ وہ اصل جوہر شاعری جو قدرتی شاعر اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ آمیر کی طبیعت کا حصّہ نہین۔ یہی وجہ ہے کہ داؔغ کے انداز کلام مین جو پختگی ہے اُس کا نشان آمیر کے طرز سخن مین نہین ملتا۔ داغ کا کلام شروع سے آخر تک اس کی طبیعت کے قدرتی رنگ مین ڈوبا ہوا ہے۔ اس کا شعر زبان حال سے پکار کر کہتا ہے کہ مین داؔغ کا شعر ہون۔ اِس کا مرتبہ

اعلیٰ درجے کے شعرا کے مقابل مین پست ہو۔ مگر وہ کسی کا مقلّد نہین ہے وہ ایک خاص طرز کا مالک ہے۔ جس کو ایک حد تک اسی کا ایجاد سمجھنا چاہیئے۔ آمیر کے ساتھ کسی طرز خاص کو خصوصیت نہین ہے۔ اِن کے دو دیوان ہین، اور دو رنگ کے۔ مراۃ الغیب مین آسیر و ناسخ کی شاعری کا اُترا ہوا چہرہ نظر آتا ہے۔ اور صنمخانۂ عشق مین قدیمی متانت کو بالاے طاق رکھ کر داغ کی شوخی کا چربہ اُتارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ دوسرے دیوان مین خود فرماتے ہین ؎

پچھلا کلام بھی ہے جو اس مین شریک امیر
دیوان مین ایک کا رنگ کہین ہے کہین نہین

آمیر کے کلام کی دورنگی اِس بات کی شاہد ہے کہ ان کی طبیعت قدرتی طور پر شاعرانہ نہین واقع ہوئی تھی۔ کیونکہ اصلی شاعر اپنی طبیعت کا رنگ نہین بدل سکتا۔ وہ اگر خواب مین بھی شعر کہیگا تو اُسی رنگ مین کہیگا جو قدرت نے اِس کی طبیعت مین ودیعت کیا ہے۔ بیشک ایک آدھ شعر کسی خاص موقع پر خاص حالت مین طبیعت کے قدرتی رنگ کے خلاف موزون ہو سکتا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی قدرتی شاعر کا کلام ایک ہی سانچے مین ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔ بیشک جس کی شاعری کا دارومدار مصنوعی تکلفات پر ہے وہ اِن تکلفات کا رنگ جب چاہے بدل سکتا ہے۔ داغ نے اکثر معرکہ آرا طرحون پر غزلین کہی ہین۔ گو کہ استاندہ قدیم کے مقابل مین فروغ نہین حاصل ہوا ہے لیکن جو کچھ کہا ہے اِس مین ایک قسم کی جدّت و تازگی پائی جاتی ہے۔ یہ نہین معلوم ہوتا کہ اِس نے اساتذہ کے خرمن سے خوشہ چینی کی ہے۔ مثلاً گردن مین، آہن مین، ایک قدیمی طرح ہے۔ اِس طرح مین "گردن" کے قافیے کو نظم کیا ہے۔

مگر سب سے الگ۔

لاعلم — اسیری عشق کو منظور تھی میرے لڑکپن مین — پنہایا طوق منت کے بہانے میری گردن مین

آتش — یہ سودائے شہادت ہے ہمارے سر کو اے قاتل — تری تلوار کا دم بھرتی ہی جو رگ ہے گردن مین

صبا — بہارِ وصل ہے ہم میکشی کرتے ہین گلشن مین — پڑے ہین ہار پھولون کے ہر اک شیشے کی گردن مین

داغ — مزا ہے وصل کی شب اس طرح ہون پیار کی باتین — ہمارا ہاتھ سینے پر تمہارا ہاتھ گردن مین

اسی طرح یاد آیا، فریاد آیا، ایک مشہور طرح ہے۔ اور "یاد آیا" نظم کرنے مین اساتذہ نے بڑی بڑی جدتین دکھائی ہین۔ داغ نے اس طرح مین بھی "یاد آیا" عجب تازگی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

آتش — رو دیا ابر بہاری جو برستے دیکھا — کرم پیرِ خرابات مجھے یاد آیا

صبا — چشم موسیٰ ہمہ تن بنگیا مین حیرت سے — دیکھا اک بُت کا وہ عالم کہ خدا یاد آیا

قلق — سچ تو ہی حضرتِ انسان ہین بڑے خود مطلب — جب دیا رنج بتون نے تو خدا یاد آیا

داغ — دی مؤذن نے شبِ وصل اذان پچھلی رات — ہاے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

امیر مرحوم کی طبیعت اس جدت سے خالی تھی بلکہ اُنھون نے جب اساتذۂ قدیم کی مشہور غزلین غزلون پر کہی ہین تو اکثر اُنھین کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کیا ہے۔ اشعار ذیل تمثیلاً درج ہین۔

قلق — ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا — بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

امیر — اُٹھو گلے سے لگا لو مٹے گلہ دل کا — ذرا سی بات مین ہوتا ہی فیصلہ دل کا

قلق — وہ ظلم کرتے ہین ہم پر تو لوگ کہتے ہین — خدا بُرے سے نہ ڈالے معاملہ دل کا

امیر — دم آکے آنکھون مین اٹکا تو کچھ نہین کھٹکا — اٹک نہ جائے الٰہی معاملہ دل کا

رند — پھر وہی کُنج قفس ہے وہی صیاد کا گھر — چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

امیر — آخر اک روز خزان ہی کہ طلسمی ہی بہار — چار دن رنگ گلستان مین جمالے بُلبُل

اکثر امیر و داغ دونون نے اساتذہ قدیم کی مشہور غزلون پر غزلین کہی ہین۔ مثلاً ناسخ کی اُس مشہور غزل پر جس کا مطلع ہے

مرا سینہ ہی مشرق آفتاب داغ ہجران کا — طلوع صبح محشر چاک ہے اپنے گریبان کا

دونون کی غزلین موجود ہین۔ امیر نے تقریباً اسّی شعر کہے ہین اور تصنع و آورد کا خوب حق ادا کیا ہے لیکن ایک شعر سے تازگی کا رنگ نہین عیان ہوتا۔ بلکہ اکثر اشعار مین ناسخ کے اشعار کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ مثلاً ناسخ کا شعر ہے۔ ؎

یہ کس خورشید رو کو جذب دل نے آج کھینچا ہے — کہ نور صبح صادق ہی غبار اپنے بیابان کا

امیر کا شعر ہے :۔

ہوائے زلف مین اک حور کے سودا یہ چمکا ہی — بیاض صبح جنت ہے سواد اپنے بیابان کا

داغ نے جو کچھ اس زمین مین کہا ہے اپنے رنگ مین کہا ہی اور جدت کو ہاتھ سے نہین جانے دیا ہے۔ چنانچہ ایک شعر اس کا مشہور بھی ہے۔

کسی کی شرم آلود نگاہون مین یہ شوخی ہے — اِسے دیکھا اُسے دیکھا اِدھر تاکا اُدھر جھانکا

اسی طرح اگر اور غزلون کا موازنہ کیا جائے تو ہمارے بیان کی تائید ہوتی جائیگی داغ کی

زبان مین گو کہ شاعرانہ صنّاعی کو دخل نہین ہے لیکن اسکی زبان روانی اور بے تکلفی سے ضرور معمور ہے آمیر کی زبان کا رنگ روانی اور بے تکلفی کے لحاظ سے داغ کے مقابل مین پھیکا ہے بلکہ اکثر اشعار مین ایسے مغلق الفاظ بھر دیے ہین جو کانون کو بُرے معلوم ہوتے ہین۔ مثلاً ؎

پڑا خط بھی نہ میرے تن پہ میری سخت جانی سے
تفاخر تھا بہت قاتل کو اپنے زور بازو پر

شان پیدا ہوئی ہے عشق مین معشوق کی
جوڑ ہے تیری نزاکت کا نحافت میری

لکھنا ہے مجھ کو دیدہ گریان کا اپنے حال
جذّاب چاہیے کوئی کاغذ کتاب پر

ہے چرخ پر یہ ایما ابروے ماہِ نو کا
کچھ کچھ خمیدگی بھی لازم ہے بانکپن مین

تفوق رکھتی ہی سرشتگی نخوت فروشی پر
کہین دامن سے ہوتا ہے مقام اونچا گریبان کا

داغ کی زبان سے ایسے الفاظ نظم ہونا دشوار ہین۔

بیشک شکوہ الفاظ اور متانت بیان کے لحاظ سے آمیر کا پایہ داغ سے عالی ہے۔ اور جب اِس شکوہ و متانت کے ساتھ آمیر کے کلام پر شاعرانہ لطافت کا پرتو بھی پڑ جاتا ہے تو خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کیا خوب کہا ہے۔

جو چہرہ زعفرانی تھا وہی اب زعفرانی ہے
شکن چہرے پر نقش پائے طاوسِ جوانی ہے

ستا نہ خاطرِ مظلوم کو ڈر اے قاتل
پڑے نہ تیغ کبھی جلیسے آہ پڑتی ہے

کبابِ سیخ ہین ہم کروٹین ہر سو بدلتے ہین
جل اُٹھتا ہی جو یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہین

کس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ مین
مشعل دکھائی برق تجلّے نے راہ مین

داغ کی زبان اِس شوکت بیان سے خالی ہے۔

آخر مین دونون اُستادون کا کلام ہم طرح غزلون سے انتخاب کر کے لکھا جاتا ہے جس سے دونون کی زبان اور مذاق سخن کا رنگ معلوم ہوتا ہے۔

داغ	عرصۂ حشر مین اللہ کرے گم مجھ کو	اور پھر وہ ڈھونڈھتے گھبرائے ہوے تم مجھ کو
	جب سے آنکھون مین سمائی ہین وہ کافر نظرین	رات دن اپنی نظر سے ہے تو ہم مجھ کو
	دیکھتا پیر مغان حضرتِ واعظ تو نہین	کوئی میٹھا نظر آتا ہے پسِ خم مجھ کو
امیر	صورتِ غنچہ کہان تابِ تکلّم مجھ کو	مُنہ کے سو ٹکڑے ہوے آئے جو تبسم مجھ کو
	حشر مین وجد کنان قبر سے یارب اُٹھون	نفخۂ صور ہو آوازِ ترنم مجھ کو
	مین جو مر جاؤن تو اے پیر مغان کہہ دینا	مغبچے کھینچ کے ڈال آئین پسِ خُم مجھ کو
داغ	ساقیا اس مین کھنچی کیا کسی مجذوب کی روح	کوئی کھینچے لئے جاتا ہے سُوے خم مجھ کو
امیر	مجلسِ وعظ مین مین مست اگر جا بیٹھون	مغبچے کھینچ کے لے جائین سُوے خم مجھ کو
داغ	یار کا پاس نزاکت دلِ ناشاد رہے	نالہ رُکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے
	رنج وہ رنج ہی جس مین نہ بتون کو بھولین	عیش وہ عیش ہو جس مین نہ خدا یاد رہے
	عکس رخسار سے بن جائے مصوّر تصویر	دیکھ لے تجھ کو تو بہزاد نہ بہزاد رہے
امیر	زعفران زار مین بھی گر دلِ ناشاد رہے	یہی نالہ یہی گریہ، یہی فریاد رہے
	قتل بے خنجر و شمشیر جو ہو مدّ نظر	اک ذرا آپ کو کھینچے ہوے جلّاد رہے
	اُس کی تصویر مین اس درجہ نزاکت کا ہو حشر	لوچ باقی نہ قلم مین ترے بہزاد رہے
داغ	کوئی پہلو تو رہے کہہ کے پلٹ جانے کا	آنکھ سے وہ نہ رہے لب سے جو ارشاد رہے

امیر　آنکھیں مر جانے کو کہتی ہیں وہ لب جینے کو　　کہیئے یہ حکم رہے کہیئے وہ ارشاد رہے

داغ　جب تک کسی کی چاہ نہ تھی کیا غرور تھا　　میرا ہی دل بغل میں مرے رشکِ حور تھا

واعظ ترے لحاظ سے ہم سُن کے پی گئے　　کیا ناگوار ذکرِ شرابِ طہور تھا

کیوں تو نے چشمِ لطف سے دیکھا غضب کیا　　قرباں اُس نگاہ کے جس میں غرور تھا

امیر　موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا　　بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

آیا بڑا مزہ مجھے مجلس میں وعظ کی　　واعظ تھا مست ذکرِ شرابِ طہور تھا

نیچی رقیب سے نہ ہوئی آنکھ عمر بھر　　جُھکتا میں کیا نظر میں تمہارا غرور تھا

داغ　کیوں نا اُمیدِ عفو ہوں کیا یہ سُنے گا وہ　　اس کا نہ بخشنا تری رحمت سے دُور تھا

امیر　میرے عمل تو قابلِ دوزخ ہی تھے، مگر　　کرتا نہ وہ جو رحم تو رحمت سے دور تھا

داغ　ہم بوسہ لے کے اُن سے عجب چال کر گئے　　یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا

امیر　لپٹا میں بوسہ لے کے تو بولے کہ دیکھیے　　یہ دوسری خطا ہے وہ پہلا قصور تھا

داغ　مہماں ہے وہ غیرتِ خورشید و قمر آج　　دن آج ہے، رات آج ہے، شام آج سحر آج

روکا ہی کیا رشک بٹھایا ہی کیا ضعف　　بیتابیِ دل لے ہی گئی غیر کے گھر آج

یہ شوق یہ ارمان یہ حسرت یہ تمنّا　　کیا ہو مرے قابو میں تم آجاؤ اگر آج

جب تاب فغاں تھی تو تاثیر کہاں تھی.　　کیا کیا لبِ خاموش پہ قرباں ہے اثر آج

امیر　ہوتا ہی تو ہے فیصلۂ گردن و سر آج　　وہ قتل پہ ہیں مرگ پہ باندھے ہوں کمر آج

گو جاتے ہیں آہستہ نزاکت سے وہ لیکن　　دَوڑی ہوئی جاتی ہے خوشی غیر کے گھر آج

کس غیرتِ خورشید سے ہوتی ہی لڑائی | اوڑھے ہوے کیون شام کی کملی ہی سحر آج
مانگی ہی دُعا کس نے الٰہی کہ کھُلا ہے | آغوشِ تمنا کی طرح بابِ اثر آج

داغ | شوخی سے ٹھہرتی نہین قاتل کی نظر آج | یہ برقِ بلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج
امیر | شوخی سے ہی بیچین وہ بجلی سی نظر آج | کہتی ہے حیا دیکھیے گرتی ہی کدھر آج
داغ | وعدے پہ مرے اُنکے قیامت کی ہی تکرار | اور بات ہے اتنی کہ اُدھر کل ہی اِدھر آج
امیر | دیدارِ طلب تو بھی ہی اور مین بھی ہون احد | لیکن ترے گھر کل ہی وہ دن اور مرے گھر آج
داغ | یون تو برسون نہ پلاؤن نہ پیون اے زاہد | توبہ کرتے ہی بدل جاتی ہی نیت میری
امیر | توبہ کی جان کو بجلی ہے چمک بجلی کی | بدلی آتے ہی بدل جاتی ہی نیت میری
داغ | کیا فلک ٹوٹ پڑا بعدِ فنا بھی مجھ پر | بیٹھی جاتی ہی دبی جاتی ہی تربت میری
امیر | شمع روتی ہی بہت اسکو اُٹھائے کوئی | بیٹھ جائے نہ کہین کچّی ہے تربت میری
داغ | شریر آنکھ، نگہ بیقرار، چتون شوخ | تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لئے
امیر | خدا کی شان جو شوخی سے آشنا نہ تھین | ترس رہی ہین وہی آنکھین اب حیا کے لئے
داغ | پوچھتا جا مرے مرقد سے گزرنے والے | کیا گذرتی ہی تری جان پہ مرنے والے
امیر | اِک ذرا دیکھ تو کیا کہتے ہین مرنے والے | او غریبون کے مزارون پہ گذرنے والے
داغ | روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے | مے اُڑی جاتی ہی ساقی ترے پیمانے سے
امیر | دُختِ رز اٹکی ہی ساقی کسی دیوانے سے | کہ پری بن کے اڑی جاتی ہی پیمانے سے
داغ | زبان سے گر کیا بھی وعدہ تو نے تو یقین کس کو | نگاہین صاف کہتی ہین کہ دیکھو یون مکرتے ہین

امیر — تسلی خاک ہو وعدون سے اُنکے چتونین اُنکی — اشارون سے یہ کہتی ہین کہ دیکھو یون مکرتے ہین

داغ — کوئی کہدے کہ تمنے دل لیا پھر دیکھیے کیا کیا — اچھلتے ہین اکڑتے ہین پلٹتے ہین مکرتے ہین

امیر — مین کہتا ہون تمہین نے دل لیا میرا تو کہتے ہین — کہ ہان ہان لے لیا اچھا کیا ہم کب مکرتے ہین

داغ — وہ اور ہین جو پیتے ہین موسم کو دیکھکر — آتی رہی بہار مین توبہ شکن ہوا

امیر — واعظ کا تھا لحاظ تو فصلِ خزان تلک — لو آگئی بہار مین توبہ شکن ہوا

داغ — اِس روے بے نقاب کا جلوہ ہوا نقاب — نکلی ہے رنگ رنگ سے صورت حجاب کی

امیر — پردہ چمک ہے اسکے رخِ بے حجاب کی — حاجت ہے کیا نقاب پر اسکو نقاب کی

ان اشعار سے دونون اُستادون کی طبیعت کے رنگ کے علاوہ اندازِ بیان کا فرق بھی معلوم ہوتا ہے۔ داغ کی زبان کی قدرتی شوخی اور بے تکلفی امیر کے مصنوعی تکلفات سے صاف الگ نظر آتی ہے۔ امیر نے اکثر داغ کی شوخی کی نقل کی ہے لیکن کامیاب نہین ہوے ہین۔

داغ کا کلام عموماً شاعری کے ظاہری عیبون سے پاک ہے۔ اور اُن کا ضروریات شعر سے باخبر ہونا ثابت کرتا ہے۔ لیکن حریفون نے اعتراضات کی فکر مین دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہین۔ عموماً اعتراضات زبان پر ہین کہ فلان محاورہ غلط نظم کیا ہے۔ یا فلان بندش غیر فصیح ہے۔ اس زمانے مین جب کہ کمال شاعری کا دار مدار محض صحت زبان پر سمجھا جاتا ہے۔ اس صورت مین اگر داغ کے مٹانے کی فکر مین اس کی زبان پر اعتراض کئے گئے تو زیادہ تعجب نہین ہے لیکن قابل افسوس یہ بات ہے کہ ان اعتراضات کے پھیر مین داغ پر ایسے ذاتی حملے کیے گئے ہین

جن کا شاعری سے کوئی تعلق نہین اور جو بالکل مذاق سلیم کے معیار سے گرے ہوے ہین
شلاً داغ کے نجیب الطرفین ہونے مین شک ظاہر کیا گیا ہے چاہے علم تاریخ کے لئے ایسے
واقعات کی تشریح ضروری ہو۔لیکن ادبی مباحثون کا دامن ایسے گندہ مضامین سے آلودہ
کرنا تہذیب کو خاک مین ملانا ہے۔

ہم کو داغ کی شاعری سے غرض ہے نہ کہ اُس کے اعزاز خاندانی سے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کُن جامی

کہ درین راہ فلان ابن فلان چیزی نیست

اِس رُسوائی کے لئے وہ حضرات بھی ایک حد تک ذمہ دار ہین جو داغ کے کمال کو فروغ
بیجا دینا اپنا فخر سمجھتے ہین۔اِن حضرات نے محض یہی بات ثابت کرنے کی کوشش نہین کی ہے
کہ داغ کا سا شاعر ہندوستان مین کم پیدا ہوا بلکہ داغ کی ذات کو تمام فضائل انسانی کا مجموعہ
بتایا ہے۔ خاندانی اعزاز۔ اخلاقی فضیلت۔حُسن صورت کے لحاظ سے داغ کی بہت کچھ
مدحت سرائی کی ہے۔ علاوہ اِس کے فنون سپہگری۔ رمل۔جفر۔نجوم اور دیگر علوم عقلی و
نقلی کی ہوا مین بھی داغ کو تحسین و ستایش کے پر لگا کر اُڑانا چاہا ہے۔اگر اسی پر اکتفا کیا جائے
تب بھی غنیمت تھا لیکن قیامت تو یہ ہے کہ اِس فانوسِ خیالی کے تیار کرنے کی فکر مین اکثر
شعراے لکھنؤ کے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔بھلا لکھنؤ کے آتش مزاجون کو اس کی تاب
کہان۔وہ پہلے ہی داغ کی گرم بازاری سے داغ کھائے ہوے بیٹھے تھے۔اس اشتعال نے
دبی ہوئی آگ کو اچھی طرح سے مشتعل کر دیا۔پھر جو اہل لکھنؤ کی جانب سے اعتراضات کی بوچھار ہوئی

ہے - تو کوئی اُس کی انتہا ہی نہ تھی - اور داغ کے مداحون نے ان اعتراضات کے جواب مین جو جو زبان درازیان کین وہ بھی اپنے رنگ مین جواب نہین رکھتین - بس بعینہٖ یہی کیفیت تھی -

تو گوئی خروسانِ شاطر بہ جنگ
در اُفتادہ باہم بہ منقار و چنگ

غرضکہ ہر دو جانب سے خوب خوب زہر اُگلا گیا - افسوس ہے تو اس قدر، کہ اِس تلخ گفتاری سے سوا اِس کے کہ اُردو زبان کے شیرین چشمے کی لطافت مین فرق آتا گیا - اور کچھ نہ حاصل ہوا - اب ذرا ان مباحثون کا رنگ ملاحظہ ہو -

اکثر داغ کے شاگرد اپنے اُستاد کو اتّقا اور پرہیزگاری کا خلعت پنہاتے ہین - یعنی داغ کو باکمال شاعر ہی نہین تبلاتے ہین بلکہ عابد و روشن ضمیر بھی کہتے ہین - حریف ایسے موقع پر کب چوکتے ہین وہ داغ اور حجاب[1] کے عشق کا پردہ اچھی طرح سے فاش کرتے ہین - کل داستان رُسوائی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہین - اور اکثر موقعون پر تصرف بھی کرتے جاتے ہین - اور جہان تک سُنا گیا ہے مرزا داغ ایک عاشق تن اور عیّاش طبع شخص تھے - اُنھون نے حجاب کے عشق کی داستان "فریاد داغ" مین نظم کی ہے - اور اپنی غزلون مین بھی کبھی کبھی اِس قسم کے اشارے کئے ہین - مثلاً کہتے ہین - ؎

میرا بھی نام داغ ہے گر تم حجاب ہو ۔۔۔ در پردہ تم جلاؤ جلاؤن نہ مین تمہین

علاوہ اِس کے عیش پرستی کے اور بھی بہت سے سامان موجود تھے - اور انہین

---

[1] حجاب ایک کلکتہ کی طوائف کا تخلص ہے -

بے اعتدالیون کا نتیجہ تھا کہ داغ کا کمال بھی شباب کے ساتھ مٹ گیا مگر اکثر قدردانانِ داغ ان واقعات پر خاک ڈال کر زمانے بھر کو بیوقوف بنانا چاہتے ہین۔

اسی طرح داغ کے حُسنِ سخن کے قدردان ان کے حُسنِ صورت کو بھی اپنی تعریف کے جلا دیتے ہین اور کہتے ہین کہ وہ شباب مین خوش رو اور خوش رنگ جوان ہونگے۔ معترض کہتے ہین کہ داغ کی بدصورتی ضرب المثل ہے اور سند مین یہ مصرع داغ کا پیش کرتے ہین۔ ع "جسے داغ کہتے ہین دوستو اسی روسیاہ کا نام ہے"۔

خیر خواہانِ داغ کہتے ہین کہ رامپور مین جو قدر داغ کی ہوئی وہ کسی کی نہ ہوئی۔ مخالفین اس دعوے کی اس طرح تردید کرتے ہین کہ رامپور مین داغ پچاس روپیہ ماہوار پر داروغہ اصطبل مقرر ہوئے تھے چنانچہ اس واقعے کی تائید مین کسی دریدہ دہن گستاخ شخص کا یہ شعر پیش کرتے ہین۔

آیا دلی سے اک نیا شکی
آتے ہی اصطبل مین داغ ہوا

مُریدانِ داغ کہتے ہین کہ رامپور کے مشاعرون مین جب داغ غزل پڑھ چکتے تھے تو آدھے لوگ اُٹھ جاتے تھے۔ اور مشاعرہ برخاست ہونے پر حضرت اسیر پیشتر سے آکر باہر آڑ مین کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ دیکھتے تھے کہ زبان پر کس کا شعر ہے۔ تو اکثر داغ ہی کا شعر زبان زد پاتے تھے۔ حریف اس کا جواب یہ دیتے ہین کہ "گلزارِ داغ" جو داغ کی شہرت کا باعث ہے اُن کی تصنیف ہی نہین ہے۔ اس کا بہترین حصہ حضرتِ ذوق کے زورِ فکر کا نتیجہ ہے جو اُنہون نے صاحب عالم مرزا فصیح الملک بہادر کے واسطے کہا تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہین کہ دیوان امیر اور اسیر کی اصلاح کی بدولت اس قدر مقبول ہے۔

داغ کی زبان پر بھی جو اعتراض کیے ہین۔ ان مین بھی عموماً اسی قدر مبالغہ سے کام لیا

گیا ہے۔جس قدر مبالغہ مرحوم کے شاگردون نے اپنے اُستاد کے کلام کو فروغ دینے مین صرف کیا ہے۔مثلاً داغ کا ایک مصرع ہے۔ ع

بیقراری ٹھہر گئی دل مین

اس پر اعتراض ہے کہ بیقراری کے لئے کہنا کہ "ٹھہر گئی" غلط ہے۔کیونکہ بیقراری تو خود اُس کیفیت کا نام ہے جو ٹھہرنے کے برعکس ہے۔مگر ایسا کہنا انصاف سے خالی ہے داغ نے اس موقع پر ٹھہرنا سکون کے معنون مین نہین استعمال کیا ہے بلکہ "جاگزین ہونے" کے معنون مین بیشک "ٹھہر گئی" کے ذو معنے ہونے سے شعر مین ایک قسم کی شاعرانہ لطافت پیدا ہوگئی ہے چنانچہ میر حسن نے بھی اسی طرز کا ایک شعر کہا ہے۔ ؎

ٹھہرنے لگا جان مین اضطراب　　لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب

یا داغ کا ایک شعر ہے۔ ؎

خارِ حسرت بیان سے نکلا　　دل کا کانٹا زبان سے نکلا

اعتراض ہے کہ "دل کا کانٹا" خلاف محاورہ ہے۔اس اعتراض کا جواب داغ نے ایک خط مین کسی دوست کو لکھا ہے۔وہ خط درج ذیل ہے۔

مورخہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ یوم یکشنبہ

جناب من سلمہ اللہ تعالی۔

آپ کا کارڈ جواب مین آیا۔حسّاد نافہم سے بحث نہین۔ان کا جواب خاموشی ہے اور آج تک جتنے اعتراضات میرے کلام پر ہوے اُن کو مین نے ہیچ سمجھا۔مگر آپ کے

اطمینان کے واسطے دو حرف لکھے دیتا ہون۔ ؎

دل کا کانٹا زبان سے نکلا　　　خار حسرت بیان سے نکلا

یہ کانٹا دل کی پھانس کی جگہ نہین ہے بلکہ خار حسرت سے بنایا گیا ہے۔ اِس سے محاورے سے بحث نہین ہے۔ زیادہ نیاز۔

فصیح الملک داغ دہلوی

ہمارے خیال مین جواب نہایت معقول ہے۔ عموماً تمام اعتراض کا یہی رنگ ہے اِس موقع پر یہ لکھنا ضروری ہے کہ اِن اعتراضات کی بحث مین دونون جانب سے وہی لوگ شریک تھے جن کی طبیعتین جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی تھین۔ دہلی اور لکھنؤ کے منصف مزاج نقادان سخن کو ہنگامہ آرائیون سے کچھ مطلب نہ تھا۔ چنانچہ منشی امیر احمد صاحب مینائی جو واقعی بزم سخن مین داغ کے رقیب تھے اِن اعتراضات کی نسبت خود داغ کو تحریر فرماتے ہین۔

میرے پرانے یار غمگسار حضرتِ داغ سلامت

خدا روز بروز آپ کے اعزاز کو بڑھائے اور اس فن کو چمکائے۔ ملک کو آپ کی قدر ہو یا نہ ہو۔ میری نظر مین تو جس قدر ہے آپ کا دل بخوبی جانتا ہوگا۔ آپ حاسدین کوتہ اندیش کا کچھ خیال نہ کرین۔ ارباب کمال خصوصاً وہ جن سے زمانہ موافقت کرتا ہے ہمیشہ محسود ہوا کرتے ہین۔ محسود ہونا سرمایۂ ناز و فخر ہے۔ خدا حاسد ہونے سے محفوظ رکھے۔

یاد آوری کا منت پذیر۔ امیر فقیر

بیشک داغ کے کلام مین بمقتضاے بشریت اکثر عیوب ہین۔ اُن سے داغ کے انصاف

پسند قدردانون کو بھی انکار نہ ہوگا۔

مثلاً داغ کے کلام مین اکثر محاورے ملین گے۔ جن کا نظم کرنا ریختہ متین کی شان کے خلاف ہے۔ اگر ہزل یا ریختی مین ایسے محاورے نظم کیے جائین۔ تو مضائقہ نہین۔

ہاے کہنا وہ کسی بت کا دم نظارہ
آنکھ بھر کر ہمین دیکھے تو بس اندھا ہو جائے

کیون صرفہ نگاہ مری جان ہو گیا
اک تیر اور مین ترے قربان ہو گیا

کوئی خوشی تو ہوئی ہے کہ ہنستے آتے ہو
گئے تھے کیا کسی مرنے پہ آشنا کے تم

اے شیخ جو بتائے مے عشق کو حرام
ایسے کو دو لگائے بھگو کر شراب مین

حورون کا انتظار کرے کون حشر تک
مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب مین

سر عدالت محشر جواب کیا دو گے
جو داد خواہون نے تم پر کہین سوال دیا

بزم سے گلدستے سب اٹھوا دیئے
داغ کا نزلہ گل تر پر گرا

اکثر ایسے محاورے بھی داغ نے نظم کیے ہین جن کا اصلی مفہوم غت ربود ہو گیا۔ مثلاً

آنسو نہ پیے جائین گے اے ناصح نادان
ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہین جاتی

دوسرے مصرع کا جو مفہوم ہے وہ اس محاورے سے ادا ہوتا ہے کہ "جیتی مکھی دیکھ کے نہین نگلی جاتی" ہیرے کی کنی تو جو کھاتا ہے وہ جان کر کھاتا ہے۔ مثلاً اکثر عورتین اپنی عصمت بچانے کے لئے اپنی ناک کی کیل سے ہیرے کی کنی نکال کر کھا لیتی ہین۔ ایک اور شعر ہے۔

کیا قبر ناتوان کی ترے بے نمود ہے
افسوس فاتحہ ہے نہ جس کی درود ہے

دوسرے مصرعے مین جو محاورہ نظم کیا ہے وہ عالم بیکسی ظاہر کرنے کے لئے نہین استعمال کیا جاتا بلکہ غصے کے عالم مین بولا جاتا ہے "مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود"۔ داغ کی جس غزل کا مطلع ہے۔ ؎

الٰہی کیا کرین ضبط محبت ہم تو مرتے ہین
کہ نالے تیر بن بن کر کلیجے مین اُترتے ہین

اسی غزل کا ایک شعر ہے۔ ؎

کبھی یہ دل تماشا گاہ تھا عیش و مسرت کا
اب اس مین حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہین

چونکہ "حسرت و یاس و تمنا" تانیث کے ساتھ استعمال کیے جاتے ہین لہذا دوسرے مصرعے کا قافیہ بہ یاے معروف ہونا چاہیے۔ نہ کہ بہ یاے مجہول۔ اور اس صورت مین قافیہ غلط ہو جائیگا۔ یا ایک شعر ہے۔ ؎

کبھی تو صلح بھی ہو جائے زہد و مستی مین
الٰہی شیخ بھی میخوار ہون مغان کی طرح

اب "مغان کی طرح" مین "مغان" کی ترکیب خلاف فصاحت سمجھی جاتی ہے۔ آتش وغیرہ کے وقت مین ایسی ترکیب جائز تھی۔ چنانچہ آتش کا شعر ہے۔ ؎

رفتگان کا بھی خیال اے اہل عالم کیجیے
عالم ارواح سے صحبت کوئی دم کیجیے

سانس کو اہل دہلی اور اہل لکھنؤ نے مونث کہا ہے ظفر کہتے ہین۔ ع

ہمیشہ چپ ہی رہے ہم کبھی جو ٹھنڈی سانس
بھری بھی ہم نے تو ہو کر کے تنگ جان سے بھری

یا نسیم لکھنوی کا شعر ہے۔ ع

وان پھانس چبھی ہے اس کو غم کی
یان سانس نہین ہے ایک دم کی

لیکن داغ نے سانس کو مذکر کہا ہے۔ ع

اک ترے دم کے لئے سانس لگا رکھا ہی
ورنہ بیمار غم ہجر مین کیا رکھا ہی

غالباً حال مین دہلی کے اہل زبان سانس کو مذکر ہی بولتے ہین۔ کیونکہ محمد حسین آزاد نے بھی "آب حیات" مین سانس کو تذکیر کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

حریف اکثر جزئیات پر بھی حرف رکھتے ہین۔ مثلاً داغ کا شعر ہے۔ ع

اے مری جان جان سے بہتر
جان کیا ہے جہان سے بہتر

اعتراض ہے کہ جس وقت عام مثل ہے کہ "جان ہے تو جہان ہے" اُس وقت یہ کہنا کیا معنی کہ "جان کیا ہے جہان سے بہتر" یا ایک شعر ہے۔ ع

دمبدم دل کو دلاسے شب غم دیتے ہین
جس کو تم دے نہین سکتے اُسے ہم دیتے ہین

اس شعر کے دوسرے مصرع مین ضم کا پہلو تبلایا جاتا ہے۔ ایک اور شعر ہے۔ ؎

انکار میکشی نے ہمین کیا مزا دیا

سینے پہ چڑھ کے اس نے خُم مے پلا دیا

حریف اس شعر کا خوب مضحکہ اُڑاتے ہین اور کہتے ہین کہ معشوق کا ہے کو تھا کہ شیدی لندھور تھا اور عاشق کے پیٹ کا ظرف بھی مبالغے سے خالی نہین۔

یادآتا ہے داغ کا ایک شعر ہے۔ ؎

دلبر سے جُدا ہونا یا دل کا جُدا کرنا

اِس فکر مین بیٹھا ہون آخر مجھے کیا کرنا

اعتراض ہے کہ دوسرے مصرع مین "کیا کرنا چاہیے" کے بدلے محض "کیا کرنا" کہنا درست نہین۔ ایسا اختصار نا جائز ہے۔

مگر ایسی لغزشین اس شہسوار سخن کی گرم جولانی کا وقار نہین گھٹا سکتین۔ آج ہندوستان کے لئے داغ باعث فخر تھا۔ چمنستان نظم شاداب تھا تو اس کے قدم سے' اور اُردو شاعری کا چراغ روشن تھا تو اس کے دم سے۔ یون تو اب بھی ایسے بزرگ موجود ہین جو پُرانے اُستادون کی آنکھین دیکھے ہوے ہین اور جنھون نے علم اور مشق کے زور سے اپنی شاعری کو مصنوعی تکلفات سے آراستہ کرنے مین ایک حد تک کمال حاصل کر لیا ہے۔ یا نئی روشنی پر چلنے والے بہت سے واعظان قافیہ پیما ہو گئے ہین جو اپنی نظم شر نما کو شاعری کے نام سے تعبیر کرتے ہین۔ لیکن وہ شخص جس کو شاعری سے طبعی تعلق تھا اور جس کی زبان مین جادو تھا وہ داغ ہی تھا۔ اس کی شاعری

طبیعت کے زور سے تھی نہ کہ محض علم کے زور سے۔

مُرغانِ خوش آہنگ اند درباغ سخن لیکن

نالیدنِ این بلبل شورے دگرے دارد

افسوس کہ یہ بلبل ہزارداستان خاموش ہوگیا!

اللہ اللہ اُردو شاعری نے بھی کیا کیا رنگ دیکھے - ایک وہ زمانہ تھا کہ میر و سودا کے آغوشِ ناز مین اِس نے پرورش پائی - ایک وہ زمانہ آیا جب کہ آتش و غالب و ذوق وغیرہ نے اس کے شباب کی بہار دیکھی - اب آخر وقت مین اِس کے مٹے ہوے حُسن کے چراغ سحری کی روشنی سے داغ نے آنکھین سکین لیکن آج اس کے آخری عاشقِ زار کے ساتھ اِس شاعری کا بھی خاتمہ ہوگیا - اب دیکھیے کون مسیحا نفس پیدا ہو - جو اُردو شاعری کی مُردہ ہڈیون مین نئی روح پھونکے اور زمانے کے رنگ سے اس کے پیراہن کو رنگے۔

لچھی رام سرور

(ماخوذ از "کشمیر درپن" ستمبر ۱۹۰۵ء)

جب کشمیر کے چمن زار مین آوارہ وطنی کی آندھی آئی - تو بہت سے ہواخواہانِ چمن اپنا مسکن چھوڑ کر بوے گل کی طرح نکل کھڑے ہوے - اِن پریشان حالون مین اکثر بلبلِ خوش لہجہ بھی شامل تھے جن کے کانون مین نغمۂ شیراز سمایا ہُوا تھا - اور جن کی زبان قندپارسی کی شیرینی سے کامیاب تھی - اِن نواسنجانِ کشمیر کو عموماً آب ودانہ کی کشش سرزمین دہلی کی طرف کھینچ لیگئی اور وہین اُن کی زمزمہ پردازیون کی ہوا بھی بندھی - مثلاً پنڈت داتا رام برہمن کی شاعری نے مرزا جوان بخت بہادر اور مرزا خرم بخت بہادر کے دامانِ دولت کے سائے مین فروغ پایا - یا پنڈت گوبند رام زیرک کو شاہ عالم کی رفاقت کا فخر عمر بھر حاصل رہا - اسی طرح صیرفی وضمیر کی شاعری نے دہلی کی خاک پر نشو ونما پائی - اور یہ بزرگ دہلی ہی کے خاک کے پیوند ہوے - لیکن خاک کشمیر کا یہ ذرہ جس کا نام نامی زیب عنوان ہے لکھنؤ کی سرزمین پر آفتاب ہو کر چمکا -

آج لچھی رام سُرور کے خاندانی حالات تفصیل کے ساتھ لکھنا ممکن نہین کیونکہ اُن کے خاندان کا کوئی یادگار باقی نہین اور اگر کوئی ہوتا بھی تب بھی اس سے زیادہ مدد ملنے کی اُمید نہ تھی - کیونکہ

بزرگون کے سوانحی حالات یادگار کے طور پر یا تبرّکاً قلبند کر کے رکھنا ایشیائی تہذیب کا حصہ نہین - اِس حالت مین لچھی رام سرورؔ کے حسب و نسب کا حال لکھنا بھولے ہوے خواب کا یاد کرنا ہے - علاوہ برین جو بزرگ اس وقت ہمارے سر پر سلامت ہین' اور جو اس گذرگاہ ہستی کی ستّر اسّی منزلین طے کر چکے ہین وہ یہی کہتے ہین کہ جب اُنھون نے آنکھین کھولین تو لچھی رام سرورؔ کا اِس دارِ فانی سے کوچ ہو چکا تھا - ان کہن سال بزرگون نے اپنے بزرگون سے جو کچھ لچھی رام سرورؔ کے متعلق سُنا ہے وہ تبرّکاً مجھ تک بھی پہونچا ہے یہن وہ غیر مسلسل حالات کاغذ و قلم کے سپرد کئے دیتا ہون -

تقریباً ڈیڑھ سو برس کا عرصہ ہوا کہ شجاع الدّولہ کے آخری عہد مین یا آصفُ الدّولہ کے ابتدائی عہد مین پنڈت لچھی رام سرورؔ کشمیر سے صوبہ اودھ مین آئے اور سعادت علی خان کے دَوران حکومت مین اُنھون نے وفات پائی حضرت سرورؔ کے سلسلۂ معاش کی نسبت صرف اِس قدر معلوم ہو سکا کہ وہ کچھ عرصے تک قندھاریون کے رسالے مین وکیل رہے - پنڈت نند رام تنخواہ اسی زمانے مین اِس رسالے کے میر منشی تھے - اور ان چند سر برآوردہ اشخاص مین تھے جن کا وقار نواب کے دربار مین قائم تھا - حضرت سرورؔ انہین کے ماتحت تھے - عبدالرحمن خان کے لڑکے حبیب اللہ خان قندھاریون کے رسالے کے افسر تھے اور ایک خوشرو اور خوش رنگ جوان تھے - سرورؔ کی شاعرانہ طبیعت کا لوازمہ حُسن پرستی بھی تھی چنانچہ حبیب اللہ خان سے عشق تھا اور اُنھون نے اکثر اپنی غزلون مین اِس خوبصورت جوان کے حُسن کی تعریف کی ہے - دو شعر تمثیلاً درج ذیل ہین -

کرد از حبیب حور بہ شکلِ بشر عیان | سرور نگر تو صنع خدائے جلیل را

دادہ سرورؔ بہ یوسف نسبتِ روئے حبیب | ہان غلط کردی کہ حسنش را صفائی دیگر است

کچھ زمانہ لچھمی رام سرور کا اندور مین بھی گذرا ہے اس کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک زمانے مین مفسدون کی فتنہ پردازی کے سبب سے پنڈت زندہ رام تنخواہ سے اور نواب سے بگڑ گئی۔ پنڈت زندہ رام نے اودھ کی سرکار کو سلام کہا اور اندور کی راہ لی۔ لچھمی رام سرور نے بھی اپنے آقا کی رفاقت مین اُسی سرزمین کا رُخ کیا۔ مہاراجہ ہولکر یعنی والیِ اندور ان لوگون سے بہت عزت سے پیش آئے۔ اور ان کے اعزاز اور پایہ کے مطابق اپنے لشکر مین عہدہ عطا فرمایا۔ لیکن اندور کے دربار کے پُرانے امرا نے ان غریب الوطنون کی بیخ کنی شروع کی اور مہاراجہ کو ان کی طرف سے بدظن کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مہاراجہ ان لوگون سے کم التفاتی سے پیش آنے لگے۔ یہ ناقدری پنڈت زندہ رام کو بہت ناگوار گذری اور اُنھون نے پھر اپنے قدیمی وطن کی راہ لی۔ لچھمی رام سرور کے دل مین بھی جو آتشِ غضب اِن معاملات سے جوش مین آئی وہ زبان سے گرمیِ سخن بن کر ظاہر ہوئی۔ اُنھون نے مہاراجہ ہلکر کی ایک ہجو اندور سے چلتے چلتے کہدی۔ مہاراجہ ہلکر کانے تھے۔ اور دوسری آنکھ کو بھی نور کا کافی حصہ نہ ملا تھا لچھمی رام سرور نے ہجو مین اِس عیب کا بھی اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہین ؎

یاران ہوائے سیم و زر از سر بدر کنید | گیرید راہ خانہ و ترکِ سفر کنید

زین کور چشم چشم بھی داشتن خطاست | قطع نظر ز ہلکر کوتہ نظر کنید

گویم ہزار وقت . . . . . نہ می دہد | از مکر و چاپلوسی ہلکر حذر کنید

ماندن کنون بہ لشکر ہا کر صلاح نیست اصلاح کار خود بہ صلاح دگر کنید

سرور پیادہ می رود و ہمرہان سوار
اے وائے باحبیبؔ[1] ز حالش خبر کنید

لچھی رام سرور سے ایک دیوان یادگار ہے جس کے قلمی نسخے شاذونادر اکثر بزرگون کے پاس موجود ہین - ایک نسخہ اس دیوان کا بخت رسا کی مدد سے میرے پاس بھی آگیا[2]- اِس مین تقریباً تین سو غزلین ردیف وار درج ہین - دیوان کے آخر مین دو ایک ترجیع بند ہین - ایک مثنوی ہے اور ایک قصیدہ ہے ۔ قصیدہ اور مثنوی حبیب اللہ خان کی شان مین ہے کلام کا رنگ دیکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نوا سنج کشمیر نے بلبلِ شیراز کا طرز فریاد اُڑایا ہے - اور عاشقانہ اور رندانہ مضامین فصیح اور پاکیزہ زبان مین نظم کئے ہین ۔ صفائی بندش سے قدرتی روانی کا پتہ ملتا ہے - دقیق مضامین اور بلیغ ترکیبون سے عام طور سے پرہیز کیا ہے - چونکہ بڑا حصّہ مصیبت ہی مین گذرا لہٰذا کلام مین ایک قسم کا درد بھی ہے - چند اشعار تمثیلاً درج ہین -

باچشم کم مبین من ظاہر ذلیل را بحث از غلاف کہنہ چہ تیغ اصیل را
ناصح خموش و گوش خراشم مشو کہ نیست رہ در حریم خلوت من قال وقیل را
مفروش جلوہ اہد خشک از ارم برو عاشق بہ چشم تر نخرد سلسبیل را

---

[1] یعنی حبیب اللہ خان ۱۲ [2] میرے عنایت فرما پنڈت بشمبر ناتھ صاحب مشران سے مجھ کو یہ دیوان ملا مشکور ہون ۱۲